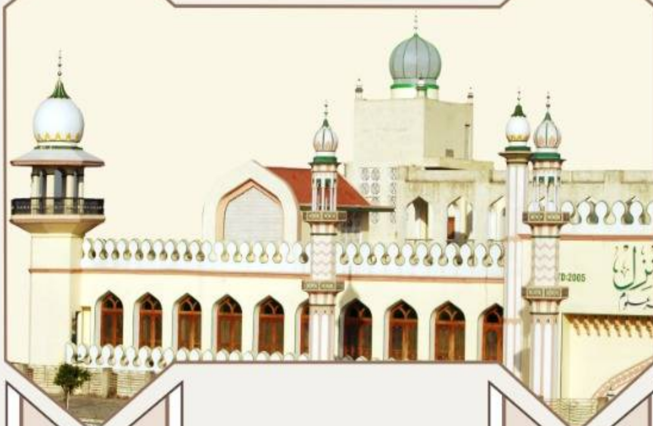
ذی قعدہ/ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ

JUNE 2023

ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۹ شمارہ نمبر ۲

ذی قعدہ/ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ جون ۲۰۲۳ء

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

زرِ تعاون

فی شمارہ ــــــ ۳۰ روپے

سالانہ زرتعاون ــــــ ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ــــــ ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	ذمہ داران مدارس	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	نمازِ جنازہ میں شرکت	مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری	۷
انوارحدیث	نیت کی درستگی	مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری	۱۳
مقالات و مضامین	اتباعِ سنت	مولانا سید محمد رابع حسنی	۱۵
	قربانی کی روح	مولانا راشد عمار قاسمی	۱۷
	نیک بیوی کے اوصاف	مولانا مفتی محمد حیان بیگ	۲۴
	میاں بیوی کے اختلافات	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۲۷
	قرآن کریم اور سائنس	مولانا محمد معاویہ سعدی	۳۴
	استعاذہ کی اہمیت وفضیلت	مولانا محمد جابر میواتی	۴۰
	ملفوظات (حکیم الامتؒ)	مفتی شعیب احمد بستوی	۴۳
واقعات الفتاویٰ	فتاویٰ مظاہرعلوم	مولانا مفتی بشیر احمد سہارنپوری	۴۵
	اخبارِ مظاہر	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۴۷

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے،
آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ
تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ذمہ دارانِ مدارس واساتذۂ کرام کی خدمت میں

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ماہ ذی قعدہ شروع ہوچکا ہے، اسلامی مدارس اور دینی درسگاہوں میں طلبہ کے داخلوں کی تکمیل ہوکر تعلیمی سلسلہ بحال ہوچکا ہے، ایسے وقت میں مناسب ہے کہ کچھ باتیں ذمہ دارانِ مدارس اور اساتذہ کرام سے طلبہ کے حوالہ سے کرلی جائیں اور خود احتسابی کا ایک ماحول بنایا جائے ،اس لئے کہ اپنا محاسبہ اور ذمہ داریوں کا احساس کام میں ترقی اور مقصد تک پہونچنے میں بڑا مؤثر اور معین ومددگار رہوتا ہے۔

دینی مدارس وجامعات کا حسنِ انتخاب کرنے والے طلبہ، منتظمین واساتذہ کرام کے پاس پوری قوم کی امانت ہیں، ان کی حفاظت اوران کوان کے مقاصد کے حصول کی راہیں ان کے لئے استوار کرنا منتظمین واساتذہ کرام کا اولین فریضہ ہے، اگران طلبہ کی تعلیم وتربیت میں کسی قسم کی کوتاہی ہوتی ہے تو یہ بڑے خسارے اور نقصان کی بات ہے۔

طلوع آفتاب رسالت کے بعد ہی سے تعلیم کے فروغ اور اسلام کی اشاعت کے لئے (مختلف شکلوں میں) جہاں مدارس اور تعلیم گاہوں کا وجود ملتا ہے وہیں تزکیہ اور تربیت اور اخلاقی سدھار کے لئے خانقاہوں کا نظم بھی ملتا ہے، خلافت راشدہ کے دور میں حضرات صحابہؓ کو مختلف شہروں میں بھیجا گیا، گویا جو صحابی جہاں پہنچ جاتا وہیں ایک مدرسہ اور خانقاہ قائم ہوجاتی۔صرف قرآن وحدیث کے الفاظ کی تعلیم ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ ایمان ویقین اور اسلامی اخلاق اور عمل کی دولت بھی تقسیم ہوتی، چنانچہ تابعین وتبع تابعین میں تفسیر، حدیث، فقہ، مغازی وسیر وغیرہ کے جتنے مشہور ائمہ گزرے ہیں سب ہی زہد وتقویٰ اوراحسان وتصوف کے بھی امام تھے۔امام حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ، سعید المسیبؒ، امام زہریؒ، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سب اپنے فن میں امام ہونے کے ساتھ ساتھ آسمانِ ولایت کے بھی درخشندہ ستارے تھے، رفتہ رفتہ حالات اور زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کے

باعث موجودہ مدارس کی شکلیں بن گئیں اور علماء اسلام نے مدارس کا نظام کچھ اس انداز سے مرتب فرمایا کہ انھیں تعلیم گاہوں سے تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ اور تربیت اخلاق کا بھی کام لیا جانے لگا اور بڑے بڑے رجال کار تیار ہوئے جنھوں نے تاریخ میں اپنی ایک حیثیت اور پہچان بنائی،

۱۸۵۷ء کے بلاخیز حالات میں ہمارے اکابر واسلاف کے قائم کردہ ہمارے دینی مدارس کا ''منہج'' اور نصب العین صرف کتابیں پڑھانا ہی نہیں بلکہ روحانی تربیت وتزکیہ بھی تھا، ہمارے دینی مدارس اصولی طور پر مدارس ہی نہیں بلکہ روحانی تربیت اور اصلاحِ اخلاق کے اعتبار سے خانقاہیں بھی ہیں، یعنی تکمیل ایمان اور تعمیر انسانیت کے مراکز بھی ہیں اور ایک اعتبار سے ہمارے مدارس دینی پاور ہاؤس ہیں جہاں سے معاشرت میں علمی وروحانی توانائی تقسیم کی جاتی ہے۔

ہمارے اکابر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس اللہ اسرارہم سب کے سب علوم شریعہ قرآن وسنت کے روشن ستارے تھے، ایسے ہی یہ حضرات آسمانِ ولایت کے ماہتاب وآفتاب تھے۔

دینی مدارس کے منتظمین یقینا اس حقیقت سے باخبر ہوں گے کہ ان کے کندھوں پر یہ ایک بہت بھاری اور نازک بوجھ ہے، جہاں یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے وہیں ایک حساس ذمہ داری بھی ہے، دینی مدارس کے منتظمین کے پاس مدرسہ کے نام پر آنے والی ہر چیز ''امانت'' ہوتی ہے، خود مدرسہ کی عمارت ایک امانت، طلبہ کرام ایک امانت، اساتذہ کرام ایک امانت، جامعہ کو ملنے والا تعاون خواہ نقدی کی شکل میں ہو یا اسباب ووسائل کی صورت میں سب ایک امانت، ایسے میں ان تمام امانتوں کا سنبھال کر رکھنا، ان کے حقوق اداء کرنا، بہت مشکل کام ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی توفیق، اخلاص اور تقویٰ کے التزام کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی طرح اساتذہ کرام — جن کا طلبہ سے براہ راست تعلق ہوتا ہے، جن کے مردم گر ہاتھوں سے طلبہ کی تقدیر سنورتی ہے، مستقبل تابناک ومنور ہوتا ہے — کی ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت، ان کے تزکیۂ نفوس پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں، اس سلسلہ میں مستقل نظام اور اصول و ضوابط بنائے جائیں، مدرسہ کا نظام تربیت، نظام تعلیم سے بھی زیادہ اہم اور قابل عمل ہونا چاہئے، اس لئے کہ

تربیت کے بغیر ''تعلیم''، جس قدر مؤثر ہونی چاہئے، نہیں ہوتی ہے، اس سلسلے میں مدارس کے ذمہ دار منتظمین حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلبہ کو شروع سال سے ہی ایسی ہدایات جاری کریں اور ایسے اصلاحی مضامین بیان کریں جس سے ان میں علم حاصل کرنے کا شوق وذوق پیدا ہو، وہ اپنا مرتبہ ومقام پہچانیں اور حصول علم کے منافی ہر چیز سے ان کو پرہیز کرنے کی ترغیب دی جائے اور یہ سلسلہ دوران تعلیم تمام سال قائم رکھا جائے اور صرف ترغیبی پہلو پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ترہیب، زجر وتوبیخ کا سلسلہ دوران تعلیم زیادہ مفید رہتا ہے، طلبہ پر کنٹرول رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے تمام اوقات، شب روز علمی ماحول میں گذریں اور ان کی نقل وحرکت اور بود وباش، معاشرت واخلاقیات پر حضرات اساتذہ کی نگاہ رہے۔

چونکہ آج کا یہ دور ہر طرح سے انحطاط کا دور ہے، علم دین سے لگاؤ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے، امت کی بہت مختصر تعداد ہی ان مدارس میں آتی ہے، اگر اسی مختصر تعداد کو علم دین کے حصول کے آداب وشرائط کی پابندی کے ساتھ تیار نہ کیا جاسکا تو یقیناً امت کا بڑا خسارہ اور نقصان ہوگا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ** ''سنو تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔ چنانچہ ایک حقیقی معلم کو چاہئے کہ وہ اپنے شاگردوں کی مکمل نگرانی رکھے، ان سے شفقت ومحبت اور نرمی سے پیش آئے، وہ ان کو ڈرانے دھمکانے کے بجائے اپنی ذات سے مانوس کرے، جو سوال وہ کریں اس کا جواب وہ مروت سے دے، درسگاہ میں وقت پر پہنچے، وقت پورا ہونے پر ہی درسگاہ سے نکلے، تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تعمیر سیرت کی بھی فکر کرتا رہے، ان کے دلوں میں ایمان، خوف خدا اور اتباع شریعت، آخرت کی جوابدہی کا احساس اجاگر کرنے کی کوشش کرے، ان کے ذہنوں سے تمام آلودگیوں کو دور کرنے اور دین کے بارے میں اغیار کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات ختم کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے، ان میں حمیت دینی اور غیرت اسلامی پیدا کرے، طلبہ کی سیرت سازی کی خاطر خود بھی دین وشریعت کی پابندی کے عملی نمونہ پیش کرے، ان کو بیکار مشاغل سے اجتناب کرنے اور دین اسلام کو سربلند کرنے کی لگن سے سرشار کرتا رہے، وہ ان کو دنیا سے بے نیازی اور مادیت پرستی سے اجتناب کی تلقین بھی کرتا رہے کیونکہ جو علم صرف تلاشِ معاش اور تن آسانی کا ذریعہ بن جائے، وہ آستین کا سانپ ہے اور جو علم دل ونگاہ کو پاک صاف

کرے وہی ''اصلی علم'' ہے،اسی علم سے تعمیر سیرت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ترقی اوراس کے استحکام کی راہیں استوار ہوتی ہیں،انسانیت نوازی کے گُر ملتے ہیں،خودشناسی کے ساتھ خدا کی معرفت اور عرفان الٰہی حاصل ہوتا ہے اور مدارس دینیہ میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی ہے ان کا مقصود و مدعا بھی یہی ہے۔

ایک اچھے معلم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے شاگردوں کو محنت کا عادی بنائے ،آج کاہلی ،سستی ،ضیاع وقت اور کام کوٹالنے کی عادت ہمارے طلبہ کی امتیازی خصوصیت بن چکی ہے، نتیجے میں تعلیم وتعلم کا معیار بہت گرچکا ہے، چنانچہ شاگردوں کے دلوں میں محنت کی عظمت راسخ کرنااور جانفشانی سے کام کرنے کی عادت ڈالنا،استاد کے لئے بہت ضروری ہے

جس طرح ''دین''پوری انسانیت کی ضرورت ہے،اسی طرح دینی مدارس کاوجود پوری انسانیت کی ضرورت ہے ، بالخصوص مسلم قوم اور مسلم معاشرے کے لیے دینی مدارس کا وجود سانس کی طرح لازم اورضروری ہے، کیوں کہ انہیں دینی مدارس سے انسانی روح کاسامان مہیا ہوتا ہے انہیں دینی مدارس سے مسلم معاشرہ اپنے اسلامی تمدن، اسلامی معاشرت، اسلامی معیشت اور اسلامی ثقافت کے اصولوں پر پروان چڑھتااور ترقی پاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے اکابر ومشائخ کے ملفوظات ،ان کی تحریریں خوب خوب رہنمائی کرتی ہیں ،خاص طور سے ریحانۃ الہند برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ نے تو ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں باقاعدہ مظاہرعلوم کے حضرات اساتذہ وملازمین کے نام ایک تحریر لکھوائی تھی ،جس میں خصوصیت سے اپنی ذمہ داریوں کے تئیں انتہائی محتاط رہنے کی ترغیب دی تھی،اسی طرح حضرت شیخ نے اساتذہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے طلبہ کی تربیت کے مضمون کواور اساتذہ کرام کو طلبہ کے لئے کیا طریقۂ تربیت اختیار کرنا ہے،اس پر نمبر وار تفصیلی مضمون لکھوایا ہے، جو''اصولِ عشرہ'' کے نام سے الگ سے بھی مطبوع ہے،اس کا مطالعہ طلبہ واساتذہ دونوں کے لئے مفید اور رہنما ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو طلبہ کی صحیح تعلیم وتربیت کی توفیق دے،اور اپنے اکابر کے بتائے ہوئے اصولوں کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے تعلیم وتعلم کی راہیں استوار فرمائے۔آمین

درسِ قرآن

نمازِ جنازہ میں شرکت کی فضیلت

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری

استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ (التوبة ۸۴)

ان میں سے کوئی مرجائے تو تو اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہوگئے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

شان نزول

یہ آیت شریفہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی جو منافقوں کا رئیس اور امام تھا، اس کے مرنے پر اس کے صاحب زادے حضرت عبداللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کے لئے آپ، خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرما دیجئے، آپ نے دیدیا۔ پھر درخواست کی کہ اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیجئے، آپ نے یہ درخواست بھی منظور فرمالی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اٹھے لیکن حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ حضور! آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، **استغفر لھم او لا تستغفر لھم** میں آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشیں گے، تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ منافق تھا اور اس کی کہی ہوئی باتیں یاد دلائیں، لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی، کچھ ہی دیر بعد یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد

آخر دم تک نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھی، نہ اس کی قبر پر آ کر دعا کی۔

عَنِ ابْنِ عمر قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ قَمِيصَهُ يُكَفِّنْ فِيهِ أَبَاهُ، فَأَعْطَاهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، تُصَلِّي عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللهُ فَقَالَ: اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ، وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ. قَالَ: إِنَّهُ مُنَافِقٌ! قَالَ: فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، آيَةَ: وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ۔ (ابن کثیر آیت ۸۴)

تشریح وتوضیح

میت کو غسل دینے، کفن پہنانے، زمین میں دفن کرنے، اس کے لئے دعاء رحمت کرنے کا دستور عرب جاہلیت سے چلا آرہا تھا، اس آیت شریفہ میں کفار، مشرکین، منافقین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کئے جانے والے برتاؤ کا بیان ہے، فرمایا: کہ جب ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ پر کبھی نماز نہ پڑھئے، اور نہ دفن وغیرہ کے واسطے اس کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں اور جو کافر ہو کر مرے اس کے لئے دعاء واستغفار یا اس کے کفن دفن میں شرکت جائز نہیں۔

مسلمان کو غیر مسلم کے جنازے کے ہمراہ جانا یا غیر مسلم کو مسلم کے جنازے کے ساتھ چلنا اور تکفین و تدفین میں شرکت کرنا درست نہیں (ایضا)۔

البتہ غیر مسلم میت کے اہل خانہ سے ان کے گھر جا کر تسلی دینا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنا، اگر وہ غریب ہوں تو مالی تعاون کرنا درست ہے لیکن ان کے مذہبی معاملات ورسوم میں شرکت سے حتی المقدور اجتناب کرنا چاہیے۔

منافقین کے کفن دفن میں شرکت سے روکنا یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں ان کاموں کی

پوری تاکید ہے، کیونکہ اس میں میت کا نفع ہے، نماز جنازہ میت کے لئے دعاء وسفارش ہے، جو باعث مغفرت اور معافی کا ذریعہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کی سفارش کرنے والی (نماز جنازہ پڑھنے والی) مسلمانوں کی ایک (بڑی) جماعت ہو جس کی تعداد سو ۱۰۰ ہو تو اللہ تعالیٰ ان نمازیوں کی برکت سے اس کی مغفرت کے فیصلے فرما دیتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ: مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ : إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ. (صحیح مسلم، رقم:۹۴۷)

اور اگر جنازہ پڑھنے والے چالیس کے قریب افراد ہوں تب بھی اللہ تعالی اس میت کے حق میں ان جنازہ پڑھنے والوں کی دعاء وسفارش کو قبول فرما لیتے ہیں اور اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب حضرت عبداللہؓ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوا، تو انہوں نے کہا کہ کریب! جا کر دیکھو کہ نماز جنازہ کے لئے کتنے آدمی جمع ہو گئے ہیں؟ حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بتایا کہ کافی لوگ جمع ہو گئے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تمہارے خیال میں ان لوگوں کی تعداد چالیس ہوگی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تو پھر جنازہ لاؤ! کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان مرے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس مسلمان آدمی پڑھیں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان لوگوں کی شفاعت قبول کرتا ہے۔

عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ: يَا كُرَيْبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ. قَالَ: فَخَرَجْتُ فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوا لَهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: تَقُولُ: هُمْ أَرْبَعُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: اَخْرِجُوهُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا. لَا يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ. (صحیح مسلم رقم الحدیث ۹۴۸)

اور اگر چالیس آدمی شریک نہ ہوں، فقط اتنے افراد ہوں جن سے کم از کم تین صفیں بن سکتی ہوں مثلا سات نفر ہوں، ایک امام بن جائے، اور پہلی صف میں تین، دوسری میں دو، تیری میں ایک ہو تو اس

کے لئے بھی مغفرت کی بشارت ہے۔اللہ تعالیٰ کتنے رحیم وکریم ہیں کہ غیر اختیاری،قلیل عمل اور قلیل تعداد پر بھی اپنے بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

حضرت مالک بن ہبیرہؓ اس بشارت کے حصول کے لئے لوگوں کی تعداد کم ہونے کے وقت بھی تین صفیں بناتے تھے، چاہے ہر صف میں چند آدمی ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت مالک بن ہبیرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان بھی مرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے واجب کردیتے ہیں (مغفرت کردی جاتی ہے) حضرت مالکؓ جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھاتے تھے اور جنازہ میں شامل لوگوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو ان کو تین حصوں میں تقسیم کردیتے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَوْجَبَ . فَكَانَ مَالِكٌ إِذَا اسْتَقَلَّ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ صُفُوفٍ لِهَذَا الْحَدِيثِ. (أبوداود رقم الحديث ۳۱۶۶)

اگر افراد زیادہ ہیں تو پانچ، سات صفیں بنانی چاہئے، اور صفوں کی تعداد میں عددِ وتر کا خیال رکھنا اولیٰ ہے، لازم یا ضروری نہیں ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے میں جہاں میت کا نفع ہے، جنازہ میں شریک ہونے والے کا بھی نفع ہے اور اس کے لئے کثیر ثواب کا وعدہ ہے چنانچہ نماز پڑھنے، کندھا دینے، ساتھ چلنے، مٹی ڈالنے وغیرہ وغیرہ، ہر ہر عمل پر ثواب بھی ہے اور ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر جنازہ کے حوالہ سے جو حق ہے اس حق کی ادائیگی بھی ہے کیونکہ جنازہ کے ساتھ جانا اور کندھا دینا بھی میت کا حق ہے، اس لئے جنازہ کے ساتھ بھی جانا چاہئے اگر ممکن ہو تو تین بار کندھا بھی دینا چاہئے۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ کے پیچھے چلا اور اس نے تین بار جنازہ کو اٹھایا تو اس نے میت کا وہ حق ادا کردیا جو اس کے ذمہ تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا. (ترمذی رقم الحدیث ۱۰۴۱)

تدفین میں شرکت کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو جنازہ کے ساتھ رہا یہاں تک کہ اس کی تدفین مکمل ہوگئی تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے، ان میں سے ایک، یا فرمایا: ان میں سے چھوٹا احد پہاڑ کے برابر ہے، ابوسلمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابن عمرؓ کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے حدیث کے بارے میں دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ابوہریرہ نے صحیح بیان کیا، اس پر ابن عمر نے کہا ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے!

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى يُقْضَى دَفْنُهَا فَلَهُ قِيرَاطَانِ، أَحَدُهُمَا أَوْ أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عُمَرَ، فَأَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ: صَدَقَ أَبُو هُرَيْرَةَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَقَدْ فَرَّطْنَا فِي قَرَارِيطَ كَثِيرَةٍ۔ (سنن الترمذی رقم: ۱۰۴۰)

وضاحت: قیراط درہم کے بارہویں حصہ کو کہتے ہیں، دور نبوی میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیراط کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر واضح فرمایا کہ یہاں دنیا کا قیراط مراد نہیں بلکہ آخرت کا قیراط مراد ہے اور جس طرح آخرت کا دن بڑا ہوتا ہے وہاں کا قیراط بھی پہاڑ کے برابر ہوگا، اور چونکہ احد پہاڑ مسلمانوں کی نگاہ کے سامنے تھا، اس کو مثال میں پیش کرنے سے صحابہ ثواب کی کثرت کو بخوبی سمجھ سکتے تھے، اس لئے بعض روایتوں میں احد کا نام لے دیا ورنہ مراد کثرتِ ثواب کو بیان کرنا ہے۔

> حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمان کے جنازہ میں ایمان کے ساتھ رضا الٰہی کی خاطر شرکت کرتا ہے اور نماز جنازہ اور تدفین میں آخر تک شریک رہتا ہے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب کے ساتھ واپس ہوتا ہے، ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر وزن رکھتا ہے، اور جو شخص صرف نماز جنازہ میں شامل ہوتا ہے، اور تدفین سے پہلے واپس آجاتا ہے وہ ایک قیراط ثواب کا حقدار ہو کر لوٹتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا

وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا، وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ. (صحیح مسلم رقم: ۹۴۵)

پیغام

کسی کے جنازے میں شریک ہونا خود ہی باعث عبرت اور آخرت کی یاد دہانی کا موجب ہے، اور میت کو غسل دینے، اس کے جنازے کو کندھا دینے اور اس کی نماز پڑھنے، اور اس کے دفن میں شرکت پر مستقل اجر و ثواب بلکہ ثوابِ عظیم کا وعدہ ہے۔

مشاہدے و تجربے میں یہ آرہا ہے کہ عموماً لوگ رشتہ داروں و شناساؤں کے جنازے میں ہی شرکت کرتے ہیں وہ بھی تعلق نبھانے، منہ دکھانے، بدلے کی چاہت، زیادہ سے زیادہ حق کی ادائیگی کے لئے، رضائے الٰہی اور ثواب عظیم کے حصول کا خیال شاید و باید کسی کو آتا ہو۔

جو منہ دکھانے و حاضری لگوانے آئے تھے ان سے کیا گلہ، کیا شکوہ، افسوس تو ان پر ہے جو سفر کی صعوبت اٹھا کر حق کی ادائیگی کی نیت سے آئے تھے اور صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس ہو گئے، آدھا ادھورا حق ادا کیا اور آدھا چھوڑ کر چلے گئے کیونکہ میت کے دو حق ہیں: ایک نماز جنازہ پڑھنا، دوم: قبر تک ساتھ جانا اور مٹی دینا، حق اور عمل بھی دو ہیں اور ثواب بھی دونوں عمل کے دو ہیں ایک ایک قیراط۔

بقول سالمؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ابتدا میں میت کا یہی ایک حق: نماز جنازہ پڑھنا سمجھتے تھے اور اسی ایک عمل کا ثواب ایک قیراط معلوم تھا، اس لئے صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس ہو جاتے تھے پھر جب ابو ہریرہؓ کی حدیث پہونچی کہ حق اور عمل بھی دو ہیں اور ثواب کے قیراط بھی دو، تو افسوس کا اظہار کیا کہ ہم نے اپنا بڑا نقصان کر لیا، اور ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے سے میت کا حق ادا ہو گیا، اس لئے ہم جنازہ کی نماز پڑھ کر لوٹ جاتے تھے، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تدفین میں شریک ہونے سے مزید ایک قیراط ملتا ہے تو ہم ضرور تدفین تک شریک رہتے اور مزید ایک قیراط پاتے۔ (مسلم رقم الحدیث ۹۴۵)

انوارِ حدیث

طلب علم کے لیے

نیت کی درستگی کا اہتمام

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری

استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَن تَعَلَّمَ عِلْمًا ممّا يُبْتَغى به وجهُ الله لا يَتعَلّمُه إلاّ لِيُصِيبَ به عَرَضًا من الدنيا لم يَجِدْ عَرْفَ الجنةِ يومَ القيامةِ يعني ريحَها۔

(ابوداؤد ۲/ ۵۱۵، وابن ماجہ ص ۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس میں سے کوئی علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے، وہ اس علم کو صرف اس لیے سیکھ رہا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کے سازوسامان (مال و دولت، جاہ و منصب وغیرہ) کو پالے تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیج کر اور اپنی کتاب نازل فرما کر بندوں کو یہ بتادیا کہ وہ دنیا کے اندر اپنی زندگی کس طرح گذاریں، اور کون سے کام ان کے کرنے کے ہیں اور کون سے کام ان کے نہ کرنے کے ہیں اور کون سی بات ماننے اور اعتقاد رکھنے کی ہے اور کون سی بات نہ ماننے اور اعتقاد نہ رکھنے کی ہے، اور ان ہی باتوں کے جاننے کو علم دین کہا جاتا ہے جس کا بقدر ضرورت سیکھنا ہر مسلمان کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ضروری ہے۔

دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کس قدر عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنے رسول اور اپنی کتاب کے ذریعہ بندوں کو بتادیا کہ میں کس کام کے کرنے سے خوش ہوتا ہوں اور کس کام کے کرنے سے ناراض، اور اسی علم دین کو سیکھنے اور سکھانے کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے

اوراس علم کو جب صحیح نیت کے ساتھ سیکھا جاتا ہے اوراس پرعمل کیا جاتا ہے تو یہی علم اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لیکن اگر یہ علم دین اللہ کی رضا کے لیے نہ سیکھا جائے بلکہ مال ودولت اور جاہ ومنصب کے حصول یا دیگر دنیوی اغراض کے لیے سیکھا جائے تواس پرسخت وعید بھی وارد ہوئی ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں آیا کہ وہ علم جس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی چاہی جاتی ہے اس کو اگر کوئی شخص دنیا کے سازو سامان اور دولت کمانے کے لیے حاصل کرے تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

اورایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من تَعَلَّمَ علماً لغيرِ اللهِ أو أرادَ به غيرَ اللهِ فَلْيَتَبَوَّ أمقعدَه من النارِ** ۔(ترمذی ۲/ ۹۴ وابن ماجہ ص ۲۳) جس کسی نے علم دین اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ غیر اللہ کے لیے حاصل کیا یا یہ فرمایا کہ جس نے اس کے ذریعہ غیر اللہ کو چاہا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اورایک حدیث میں ہے: **عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من طلب العلم لِيُمَارِيَ به السفهاءَ أو لِيُبَاهِيَ به العلماءَ أو لِيَصْرِفَ وجوهَ الناسِ إليه فهو في النارِ** ۔(ابن ماجہ ص ۲۲:)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص اس علم کو اس لیے حاصل کرے کہ اس کے ذریعے جاہل سے بحث کرے یا اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے یا اس کے ذریعے لوگوں کے رُخ (توجہات) کو اپنی طرف پھیرے تو وہ جہنم میں ہے۔(ابن ماجہ)

علم دین جو اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے اوراس کو بہت ہی اونچی نسبت حاصل ہے، اگر کوئی اس علم کو فانی دنیا کے مال ومتاع کے حصول اور نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی برتری اور فخر ومباہات کے لیے حاصل کرتا ہے تو یقیناً وہ اس عظیم الشان علم کی توہین اور حق تلفی کرنے والا سمجھا جائے گا اوراس کی سزا جنت کی خوشبو سے محرومی اور جہنم کے عذاب کا وہ مستحق ہوجائے گا۔

اس لیے علم دین پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لیے اپنی نیتوں کی درستگی اور اخلاص کی بہت زیادہ فکر اور اہتمام کرنے کی ضرورت ہے اوراپنی کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

پیغام سیرت

اتباع سنت کا ذوق بیدار کیجیے

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ شریعت اسلامی کا اہم ماخذ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کی زندگی کے لیے واجب التقلید نمونہ ہے، اس سے ایک طرف شریعت کے بہت سے احکام وہدایات ملتی ہیں، تو دوسری طرف اسی سے ہم کو اسلامی زندگی کا مثالی نمونہ بھی ملتا ہے۔ اس حیات طیبہ کو سن کر اور پڑھ کر مسلمان کا دل ودماغ جو کچھ اخذ کرتا ہے، اس سے اس کی دنیا بھی بنتی ہے اور دین بھی بنتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا اور ہونے دیا، ان سب کو حدیث کا نام دیا جاتا ہے اور حدیث شریعت اسلامی کا ایک بہت بڑا استون ہے، لہٰذا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا جی لگا کر مطالعہ کرے، اپنے جلسوں میں، تقریروں میں، گفت گو میں ان کی باتوں کا چرچا کرے، ان باتوں سے سبق لے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے جن کو مستند کتابوں میں نقل کیا گیا ہے اور جن کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے، خواہ وہ زندگی دین کے معاملات کی ہو، خواہ دُنیا کے معاملات کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بحیثیت نبی کے بہت اونچا ہے، لیکن اسی کے ساتھ بحیثیت انسان کے اخلاق، محبت، ہم دردی، انسان نوازی، خوش اخلاقی، خاکساری، تواضع، مہمان داری، غرباء پروری، مصیبت زدوں کے ساتھ ہم دردی بھی انتہائی بڑھی ہوئی تھی، ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے کمالات کا مظہر تھے اور دوسری طرف انسانی خوبیوں کا اعلیٰ پیکر تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت کی ذمہ داری ملی اور اس کا کام سپرد ہوا، اس کام کے کرنے سے لوگوں کا سابقہ رویہ بدل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے آزار ہو گئے، اگر پہلے جیسے رہتے تو قریش میں آپ سے زیادہ پسندیدہ اور محترم شخص کوئی اور نہ ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے بادشاہ کی طرح ہو جاتے اور آپ کو دنیاوی وجاہت انتہا درجہ کی حاصل ہوتی، آپ جو کہتے قریش اس کو بجالاتے، آپ کے لیے سب اپنی نگاہیں فرش راہ

کرتے لیکن خدا کو آپ سے دعوت واصلاح کا کام لینا تھا، آپ کو حکم ہوا کہ قوم کے عقیدوں اور مذہبی عادتوں کی جو بگڑی ہوئی شکلیں چل رہی تھیں، ان کی اصلاح کا پیغام سنائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی ذمہ داری اٹھالی اور اس کی انجام دہی سے جو تکلیفوں کا سلسلہ شروع ہونا تھا، اس کے لیے تیار ہو گئے، آپ کو آرام مطلوب نہ تھا، آپ کو انسانوں کی خیر خواہی مطلوب تھی، چناں چہ عداوت کا جو طوفان اٹھا وہ زبردست تھا، آپ کو امانت دار او رنیک کردار کہنے والے اور عزت واحترام سے پکارنے والے بگڑ گئے، پہلے جو تعریف کرتے تھے، اب برائی کرنے لگے، پہلے آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار رہتے تھے، اب پتھر مارنے لگے، عزت کرنے والے مذاق اڑانے لگے، گندگی اور کیچڑ ڈالنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب جھیلا اور پیغام خداوندی سناتے رہے، حق وانسانیت کے لیے حکم الٰہی کی بجا آوری کے لیے سب برداشت کرتے، جواب نہ دیتے، صبر آزما معاملہ تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم صبر سے کام لیا، برداشت سے باہر تھا، پھر بھی برداشت کیا، کیوں کہ حکم الٰہی تھا کہ برداشت کرو، جواب نہ دو مخالفت کے باوجود نیکی کی تلقین کرتے اور حق کا پیغام پہنچاتے رہے۔

ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ دونوں پہلوؤں سے کرنا چاہیے، ایک طرف یہ کہ اس سے ہم کو شریعت کی تعلیمات ملتی ہیں، جن پر عمل کر کے خدا کو راضی کر سکتے ہیں اور اپنی آخرت بنا سکتے ہیں، دوسری طرف یہ کہ انسانی وبشری خوبیوں اور خصلتوں کے کیسے کیسے اعلیٰ نمونے سامنے آتے ہیں، جن کے اختیار کرنے سے دنیاوی اعتبار سے اور سماج کے اندر ہم ایک اعلیٰ خصلتوں کے انسان بن سکتے ہیں۔

ہم صرف روشنی کر کے اور صرف معجزات بیان کر کے خود اپنے کو بہت خوش تو کر لیتے ہیں، لیکن رسول پاک کو خوش کرنے کے لیے یہ روشنی اور شاندار مظاہر مفید نہیں، مفید تو آپ کی حیات طیبہ کے اخذ فیض سے آپ کی سنت کی اتباع کرنا ہے، انسانوں کے لیے ہم دردی اور محبت وعنایت کا اختیار کرنا ہے، ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ہم اپنے ذوق کی تسکین اور دکھاوا کرنا چاہتے ہیں یا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کے کام کرنا چاہتے ہیں؟ ہمیں سیرت پاک کی محفلوں میں اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور سامنے لانا چاہیے، تا کہ آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ملاقات مقدر ہو تو آپ یہ نہ فرمائیں کہ تم نے ہم کو تو خوش نہیں کیا، صرف اپنے کو ہی خوش کرتے رہے اور شان وشکوہ سے اپنا دل بہلاتے رہے اور ہماری سنتیں مٹتی رہیں، کتنے غریب غربت برداشت کرتے رہے اور دولت مند دولت کو صرف ذوق اور دکھاوے میں اڑاتے رہے، امت پریشان رہی اور خوش حال لوگ مزے اڑاتے رہے۔

پیغام

قربانی کی روح اور پیغام کیا ہے؟

مولانا راشد عمار قاسمی خیرآبادی

آخر قربانی ہے کیا، اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے کہ اس قدر اہتمام سے لاکھوں جانوروں کی قربانی دینے کا حکم دیا گیا جس پر دوسرے مذاہب خاص کر ہندوؤں، سناتنیوں، بدھوں، جینیوں کو شدید اعتراض ہے کہ بلاوجہ جیو ہتیا کر کے مسلمان اپنی بے رحمی اور خوں ریزی کا ثبوت دیتے ہیں بظاہر اس کی کوئی حکمت اور فائدہ نظر نہیں آتا دوسری جانب ہمارے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہونچتی ہے۔

سب سے پہلے اسلام میں اس قربانی کی اہمیت کو سمجھیں، قربانی پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ ایام تشریق میں آخر ہم کیوں قربانی کرتے ہیں اس کی کوئی نہ کوئی وجہ اور حکمت ہوگی اور اس قربانی کرنے سے ہمارا فائدہ کیا ہے، روایت حدیث ہے عن زید بن ارقم رضی اللہ عنه قال: قال اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم: ماهذه الاضاحی؟ یارسول الله؟! قال: سنة أبیکم، ابراهیم علیه السلام، قالوا فما لنا فیها؟ یارسول الله، قال بکل شعرة حسنة، قالوا! فالصوف؟ یارسول الله! قال لکل شعرة من الصوف حسنة۔ (رواہ احمد، وابن ماجہ، ومشکاۃ رقم الحدیث ۱۲۹)

حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ عرض کیا یارسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے پھر عرض کیا تو اس قربانی کرنے میں ہمارا کیا فائدہ ہے اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا جانور کے ہر بال کے بدلہ میں نیکی ہے تو سوال کیا کہ اُون کے بارے میں کیا فرمان ہے، آپؐ نے بتایا کہ اُون والے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے (چونکہ بال کے مقابلہ میں اُون بہت کثیر تعداد میں ہوتا ہے اس لئے اون سے متعلق الگ سے سوال کرنے کا خیال آیا تھا)

صحابہ کو جب جواب مل گیا تو ان کو قربانی کی اہمیت وضرورت کا کامل یقین ہوگیا اس لئے کہ اسلام درحقیقت اپنے اصول واساس میں ملت ابراہیم کی تکمیل ہے خاص کر حج بیت اللہ کے تمام اعمال ومناسک خانوادہ ابراہیمی کی سنتوں کی تجدید ہے اسی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو دیکھا جائے تو ان

پوری زندگی ایثار وقربانی سے عبارت ہے پے در پے قربانیوں کا صلہ وثمرہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل باصفا کو قیامت تک کے لئے لوگوں کا پیشوا اور امام بنانے کا اعلان فرمایا تھا ارشاد ربانی ہے:

وَاِذْ ابْتَلیٰ اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً۔ (سورہ بقرہ)

اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کچھ باتوں میں آزمایا تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پورا کر دکھایا۔ تب اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔

معترضین کارد

حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی پے در پے قربانیوں، فداکاریوں، فرمانبرداریوں پر گفتگو کرنے سے پہلے ذرا ان لوگوں کے غیر عقلی وغیر فطری اعتراضات کا جواب بھی دیدیا جائے جو جانوروں کی قربانی کو ظالمانہ حرکت قرار دیتے ہیں اور جیو ہتیا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسلام میں جانوروں کی بحکم الٰہی خاص مواقع پر قربانی دینا اور روزمرہ کی زندگی میں حلال وپاکیزہ جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بطور خوراک استعمال کرنا ایک فطری عمل ہے کیونکہ ہمارا ایمان وعقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ہر چیز اپنی سب سے افضل واشرف مخلوق انسان کے نفع کے لیے پیدا کی ہے جس کو مختلف انداز میں اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان بھی کردیا ہے۔ **ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا** (سورہ بقرہ نمبر ۲۹) وہی اللہ ہے جس نے زمین کی ہر چیز تمہارے (نفع کے) لئے پیدا کی ہے، چنانچہ لفظ ''ما'' جو عربی میں اسم موصول ہے اس کے تحت دنیا کی ہر شئی جمادات، نباتات، حیوانات آ گئی ہیں، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان پھل فروٹ، سبزیاں، ترکاریاں تو اپنی خوراک کے لئے استعمال کرے اور گوشت جو انسان کی فطری غذا میں شامل ہے وہ نہ استعمال کرے، اسلئے سورہ انعام میں ان جانوروں کا بیان بھی کردیا جن کا کھانا حرام ہے اور باقی جو جائز وحلال بلکہ پاکیزہ وطیبات ہیں ان کا ذکر بھی فرمادیا۔ اگر مطلقاً حرام ہوتا اور ظلم ہوتا تو پھر صاف طور پر منع فرمادیتا ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں'' **ومن الانعام حمولۃ وفرشا کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکن عدو مبین۔** (سورہ انعام ۱۴۲)

حمولۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین عظام نے ان جانوروں کو مراد لیا ہے جن پر سوار ہوا جاتا ہے اور جو بڑے بوجھ اٹھانے والے ہوتے ہیں جیسے اونٹ، گائے، گھوڑے وغیرہ اور فرشاً سے مراد چھوٹے

جانور جیسے بکری ،بھیڑ، دنبہ دوسرے حلال و پاکیزہ جانور ہرن،خرگوش وغیرہ اور تاریخی ادیان و مذاہب کو دیکھا جائے تو ہر دور میں جانوروں کا گوشت کھانے،شکار کرنے کا علم ہوتا ہے خود ہندو دھرم میں بہت سے تہواروں پر جانوروں کو بلی چڑھانے کی رسم آج بھی جاری ہے اور شری رام چندر جی نے جنگل میں ہرن کا تیر سے شکار کیا یہ عام لوگوں میں مشہور ہے کیونکہ رام چرت میں اس شکار کا ذکر ہے۔

اسی سورہ انعام میں عربوں کا حال بھی ذکر کر دیا گیا ہے بعض جانوروں کو اپنے لئے حلال اور عورتوں کیلئے حرام اور بعض شرائط کے ساتھ ذبح کردہ جانور کو مرد وعورت دونوں کے لئے کھانا جائز کہتے تھے۔

قالوا هذه انعام و حرث حجر لا يطعمها الا من نشاء بزعمهم۔ (انعام ۱۳۸) اور کہتے ہیں یہ مویشی جانور اور کھیت ممنوع ہیں ان سے صرف وہی کھا سکتا ہے جس کو ہم چاہیں گے یہ سب ان کے اپنے گمان کے اعتبار سے رائج تھا۔

وَقالُوا مافی بطون هذه الانعام خالصةً لذکُورنا و محرمٌ علی ازواجنا و ان یکن میتةً فهم فیه شرکاء (انعام ۱۳۹) اور کہتے ہیں جو بچہ ان ذبح شدہ جانور کے پیٹ سے نکلے گا (اگر زندہ ہے) تو صرف مرد لوگ کھائیں گے اور ہماری عورتوں پر کھانا حرام ہوگا اور گر مردہ نکلے گا تو مرد عورت سب کھانے میں برابر کے شریک ہوں گے۔

اتنی تفصیل سے گوشت خوری کے بارے میں قرآن کا یہ بیان خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ نے بہت سے جانوروں کو جن میں مویشی جانور نمایاں ہیں ہمارے لئے خوراک بنایا ہے ان پر سواری بھی کر سکتے ہیں۔ دودھ بھی پی سکتے ہیں وقت ضرورت ذبح کر کے کھا بھی سکتے ہیں خاص مواقع جیسے عیدالاضحیٰ کے مخصوص ایام میں قربانی بھی کر سکتے ہیں، واجب قربانی اور نفلی قربانی کیونکہ یہی منشائے تخلیق ہے، مزید ان کے بالوں اور کھالوں سے اپنے استعمال و آرائش کا سامان بھی بنا سکتے ہیں اب اگر کسی دھرم میں گوشت کا استعمال درست نہیں تو یہ ان کا اپنا گھڑھا ہوا عقیدہ اور رسم رواج ہے ہم مسلمان اسی حد تک ان لوگوں کی رعایت کرنے کے مکلف جب تک ہمارے اسلامی احکام و شعائر پر چوٹ نہ پڑے مثلاً گائے کا بدل ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے بھینس، بکرا، دنبہ، بھیڑ ہے اور گائے کو سناتن دھرم میں ماتا کا درجہ حاصل ہے تو میل ملاپ اور انسانی رواداری و بھائی چارہ قائم رکھنے کے لئے جن علاقوں میں سرکاری طور پر اس پر پابندی ہے

وہاں ہم گائے بیل کی قربانی نہ کرکے اس کے بدل کی قربانی کریں، حرام سمجھ کر نہیں بلکہ جائز مانتے ہوئے فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے، تو یہ ممکن ہے اور حالات کے تحت بچنا بھی بہتر ہے۔

خلیل اللہ کی قربانیاں ایک نظر میں

بات چل رہی تھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پے در پے قربانیوں جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں کا امام اور مقتدا بنایا، جب ہم امام الناس کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی پوری زندگی عزیمت، اطاعت، فرمانبرداری، امتثالِ امر الٰہی اور خود سپردگی سے لبریز ملتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اپنے آپ کو ہمارے حکموں کے حوالے کردو تو فرمایا میں نے خود کو سارے جہانوں کے پروردگار کے سپرد کردیا **اذقال ربه أسلم قال اسلمت لرب العالمين** (سورہ بقرہ) آپ دیکھتے ہیں قرآنی آیات کی بیان کردہ ابراہیمی خصوصیات کیا تھیں؟

ایوان نمرود میں نعرۂ توحید بلند کرنا، عقیدۂ توحید پر خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود سے کئی بار دربار میں مناظرہ کرنا، بت پرستوں کو راہ حق پر لانے اور معبودان باطل کی بے کسی ولاچاری ثابت کرنے کے لئے بت شکنی کا حوصلہ دکھانا، جس کی پاداش میں دہکتے بھڑکتے شعلوں میں ڈالا جانا پھر بھی ماتھے پر تشویش وخوف کی ایک شکن نہیں، عشق حقیقی اور اپنے مالک وخالق پر اتنا پختہ یقین وایمان کہ شاعر کو کہنا پڑا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

اس وقت دنیائے انسانیت نے عند اللہ ابراہیم علیہ السلام کی محبوبیت کا مشاہدہ کیا کہ کس طرح اللہ نے دہکتے شعلوں کو اپنے خلیل ومحبوب کے لئے چمن زار بنادیا **قُلنا یانار کونی بردا وسلاماً علی ابراهیم** کا آسمانی حکم قیامت تک کیلئے خلیل اللہ کے عشق ومحبت کی صداقت کا ثبوت ہے۔

اس سخت ترین مراحل سے گزرنے کے بعد بھی اللہ کے خلیل نے فریضۂ دعوت ترک نہیں بلکہ ان کے نعرۂ توحید میں ایک نیا جوش پیدا ہوگیا وہ بار بار کہتے تھے حالات خواہ میرے کتنے ہی مشکل اور خطرناک ہوجائیں مجھے تو ہر آن حکم اذانِ توحید والوہیت پر عمل کرنا ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لاالہ الا اللہ

جیسے جیسے امتحان و آزمائش میں شدت آتی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خودسپردگی اور انابت الی اللہ میں اضافہ ہوتا گیا، انہیں امتحاناتِ محبت دینے میں لطف آنے لگا، لہٰذا جب اپنے ہی باپ آزر (جونمرود کی حکومت کا وزیرِ مذہبی اموراور تمام بت کدوں کا سربراہ اور خود بت ساز تھا) کو ابراہیم خلیل اللہ نے شرک وکفر سے روکا تو باپ نے یہ سزادی کہ ان کو گھر سے نکال دیا، عراق میں ان کا رہنا مشکل کردیا گیا، چنانچہ راہ حق کا یہ راہی اپنی بیوی حضرت سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت وطن، دردوکرب بھی گوارہ کرلیا، یہی تین نفر تھے جو ایمان لائے تھے، خود ابراہیم اور باقی بیوی اور بھتیجہ، وہاں سے چل کر ارض مقدس ملک شام میں آباد ہوئے یہیں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے بڑھاپے میں اولاد کی نعمت عطا فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تولد ہوئے لیکن ابھی تو قربانیوں کا سلسلہ مزید سخت ہونا تھا، اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اے ابراہیم! اپنے نومولود لخت جگر اسمٰعیل اوران کی والدہ کو فلسطین شام سے لے جا کر وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ کیونکہ انہیں ماں بیٹے کی قربانی سے شہرِ عبادت، قطب عالم، محور ہدایت ،مسقط رسول خاتم، بلدامین مکہ مکرمہ کو بنانا تھا، اس لئے کہ اسی وادی بطحا میں اللہ کا پہلا گھر بنایا گیا، اس کی تعمیرنو اسی خانوادہ سے کرانی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ حکم بھی پورا کرکے امتیازی نمبرات حاصل کئے، اس حکم الٰہی پر نہ ہاجرہ علیہا السلام نے اعتراض کیا نہ تعمیل میں پس وپیش، بلکہ خود سپردگی کی مثال قائم کرتے ہوئے بارگاہ رب العالمین میں عرض کیا رَبَّنَا اِنِّی اسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَتِیْ بِوادٍ غیر ذی زَرْعٍ عند بیتک المحرم .... (بقرہ نمبر ۳۷) اے ہمارے رب میں نے اپنی ذریت میں سے کچھ (یعنی ہاجرہ واسماعیل) کو بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب ٹھہرادیا، تاکہ وہ نماز قائم کریں اور میرے رب آپ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کردیں۔

یہ شہر اطاعت وعبادت اور قبلہ گاہ عالم اور ملت ابراہیمی کے فروغ واشاعت کے مرکز کی تاسیس اول تھی اسی شہر مکہ کو قیامت تک کے لئے فرزندان توحید کے لئے مثابةً للناس بنانا تھا اسی شہر مکرم سے قلبی وروحانی اور ایمانی ربط پر نجات ومغفرت کی امید قائم ہے۔

اس بڑی قربانی کے بعد کائنات ارض کی سب سے حیرت ناک اور سخت ترین آزمائش کا منظر بھی دنیاوالوں کو دکھانا مقصود تھا تاکہ عشق الٰہی اور اطاعت رب کا دعویٰ کرنے والے اللہ سے سچی محبت کا دم بھرنے والے دیکھ لیں اور ان کو نمونہ مل

جائے کہ عشق ہوتا کیا ہے اور اطاعت وفرمانبرداری کا معیار وشعار کیا ہوتا ہے، وہ حیات خلیل کا آخری اور سب سے مشکل امتحان تھا، سب سے بڑی قربانی تھی کہ خود باپ کے ہاتھوں اپنے اکلوتے فرزند کو قربان کرنا تھا، حکم آیا کہ ابراہیم اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو ہماری رضا کے لئے ذبح کرو، یہ حکم خواب کی شکل میں آیا، مسلسل تین دن خواب دکھایا گیا اور یہ بھی ہمارا ایمان وعقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے، کیونکہ سونے کی حالت میں بھی ان کے بیدار دلوں پر غفلت طاری نہیں ہوتی، حضرت ابراہیم نے اپنا خواب بیٹے اسمٰعیل کو سنایا تو بیٹا بھی اسی خاندان کا چشم وچراغ تھا جس کی زندگی ہی اپنے رب کی رضاجوئی اور اس کی فرمانبرداری سے معنون تھی، بلاتردد عرض کیا **یاابت افعل ماتومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین** ابا جان جو حکم ملا ہے اس پر عمل کریں ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنیوالا پائیں گے۔

جب باپ بیٹے کے درمیان طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم ان کو لے کر منٰی گئے اور پیشانی کے بل لٹایا ارادہ کیا کہ اسمٰعیل کے گلے پر چھری پھیریں کہ آسمان سے ندا آئی **و ناديناه ان يا ابراهيم قدصدقت الرويا ء انا كذلک نجزی المحسنين ان هذالهوا البلاء المبين و قديناه بذبح عظيم و تركنا عليه فی آخرين** ۔(سورہ صافات ۱۰۴-تا-۱۰۸)

اور ہم نے ان کو پکارا اے ابراہیم آپ نے خواب سچ کر دکھایا اسی طرح (امتحانات لے کر) ہم احسان کرنے والوں کو بدلہ عطا کرتے ہیں یہ سب (مراحل) ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ابراہیم کو اسمٰعیل کا فدیہ ذبح عظیم کی شکل میں دیا اور ان کی اس سنت کو (قیامت تک کے لئے) دوسرے مسلمانوں پر باقی رکھا۔

یہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یکے بعد دیگرے آزمائشوں، قربانیوں کا ایک اجمالی اور سرسری ذکر جس کی تفصیل قرآن نے متعدد آیات اور سورتوں میں بیان کر کے ملت ابراہیم کو بندگی کا معیار بنا دیا ہے اور یہ ہے قربانی کی تاریخ اور حقیقت۔

جانوروں کی قربانی ایک تمثیل ہے

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی قربانی دینے کا حکم محض امتثال امر کے لئے نہیں فرمایا بلکہ جانور کی قربانی گویا یہ عزم وارادہ کرنا ہے کہ اگر ضرورت پڑی اور ایمان نے مطالبہ کیا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پاکیزہ خانوادہ کی طرح آتش نمرود میں چھلانگ لگادوں گا اور ایوان کفر وشرک میں نعرہ توحید بھی بلند کروں گا، راہ حق میں اپنی جان ومال کیا چیز ہے، یعنی اولاد کو بھی قربان کردونگا، اللہ کے لئے وطن عزیز اور

رشتہ داروں کو بھی چھوڑ کر اپنے پروردگار کو راضی کرونگا، اس سے پہلے قربانی کا ایک مرحلہ یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات نفس کی پیروی کو قربان کریں، معاصی وسیئات کی زندگی سے ہجرت کر کے اطاعت رب اور عبادت کی دنیا میں قدم رکھیں اپنے جذبات کو اللہ کی مرضیات کے لئے قربان کریں۔

سیاسی منافع حاصل کرنے کیلئے سیاستداں اپنی راحت قربان کردیتا ہے، ایک تاجر دولت کے لئے اپنا آرام تج دیتا ہے، ایک مزدور دو وقت کی روٹی کیلئے دن بھر دھوپ میں جلتا ہے، ایک کسان غلہ کی دولت حاصل کرنے کے لئے اپنے کھیتوں میں مشقت کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک چور مال حاصل کرنے کی خاطر رات بھر جاگتا ہے، ایک ڈاکو سونا چاندی حاصل کرنے کے لئے جنگلوں اور صحراؤں میں مارا مارا پھرتا ہے، خواہش اچھی ہو یا بری، حلال ہو یا حرام بہر صورت وقت کی، مال کی، جان کی قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔

صحابہ کرام اور سلف صالحین کی عظمت شان اور رفعت مکان کا راز یہ تھا انہوں نے کبھی بھی راہ حق میں قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے شرک وکفر کے شیطانوں سے نبرد آزما ہوئے، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے شرک وکفر کے شیطانوں سے نبرد آزما ہوئے، عدل وانصاف کے لئے وقت کے طاقتور حکمرانوں سے ٹکر لی، ان کی راتیں میدان جنگ میں گزرتی تھیں تا کہ پوری امت محمدیہ آرام سے سوئے، ان کی تلواریں ہر سرکش ومتمرد کے لئے برق بے اماں تھیں تا کہ مخلوق راحت وآرام کی لذت سے ہمکنار ہوں، انہوں نے اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لئے روم وایران کے شہنشاہوں سے بھی آنکھ سے آنکھ ملا کر باتیں کیں اور ان کی لاکھوں کی فوجوں کو شکست دے کر ان علاقوں میں اسلام کا پیغام پہونچایا اور گہوارہ امن بنایا۔

آج عیدالاضحیٰ کے موقع پر اگر ہم صرف شہرت حاصل کرنے کے لئے لاکھوں کا جانور خرید کر قربانی کردیتے ہیں تو جان لیں یہ قربانی نہیں ایک رسم ہے، قربانی کے پیغام کو سمجھنا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے ہمارے سامنے اسلاف کی بے بہا قربانیوں کی داستان بھی ہے اور ان قربانیوں کی برکات وثمرات بھی ہیں۔

خلیل مستِ مئے جنوں تھا مگر میں تم سے یہ پوچھتا ہوں
رضائے حق کی چھری کے نیچے حیات آئی کہ موت آئی؟

مشعلِ راہ

نیک بیوی کے اوصاف

مولانا مفتی محمد حیان بیگ
استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجًا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة، إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون۔

اور اس کی قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں، تا کہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے، یقینا اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ (سورۂ روم آیت ۲۱)

نیک عورت ایک کامیاب اور مہذب خاندان کی جڑ اور بنیاد ہوتی ہے، کسی بھی خاندان کے عروج وارتقاء کا دارومدار اس کے وجود پر موقوف ہے، نیز ایک صالح معاشرہ کی تشکیل اور تعمیر کی اساس بھی اسی پر قائم ہے، اور نکاح وہ مضبوط رشتہ ہے جو مرد وعورت کو ایک دوسرے کے بندھن میں باندھتا ہے، اور زوجین میں سے ہر ایک کے دل میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے شریکِ حیات کا ہم سفر اور خوشی اور غم کا ساتھی ہے، نیز نکاح وہ ذریعہ ہے جس سے زوجین میں مودت اور محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، اور باہمی اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے۔

عام طور سے نکاح سے پہلے میاں بیوی الگ الگ ماحول میں پرورش پاتے ہیں، لیکن نکاح کے بعد ان میں ایسا گہرا رشتہ پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی پچھلی طرزِ زندگی کو خیرباد کہہ کر ایک دوسرے کے ہو رہتے ہیں، ان کے درمیان جذبۂ محبت ہوتا ہے اور بڑھاپے میں اس پر رحمت اور ہمدردی کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ (توضیح القرآن/مفتی تقی عثمانی، دامت برکاتہم)

قرآن وحدیث کی روشنی میں نیک خاتون کے اوصاف :

شریکِ حیات کے انتخاب کے موقع پر شرعی پیمانہ کو مدِّ نظر رکھنا، اور قرآن وحدیث میں جو

ترجیحات اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے، یقیناً خدا اور اس کے رسولِ پاک کا حسنِ انتخاب آپ کی ازدواجی زندگی کو گل وگلزار بنا دے گا۔ ذیل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ وہ صفات ذکر کی جارہی ہیں جو ایک نیک اور باحیاء خاتون کا طرۂ امتیاز ہیں:

۱- فرمانبردار ہو:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فالصّٰلحٰت قٰنتٰت حٰفظٰت للغیب بما حفظ الله**۔ سو نیک عورتیں وہ ہوتی ہیں جو تابعِ فرمان ہوں، پیٹھ پیچھے (مرد کی آبرو ومال کی) نگہبانی کرنے والی ہوں اللہ کی حفاظت سے۔ سورۂ نساء آیت ۳۴۔

عورت کا فرمانبردار ہونا اس کی سعادت اور دارین کی سرخروئی کا سبب ہے، اور اس کا نافرمان ہونا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے، احادیث میں شوہر کی اطاعت کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔

بخاری شریف حدیث نمبر ۲۹ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أُرِیتُ النارَ، فإذا أکثر أهلها النساء یکفرن۔ قیل أیکفرن بالله؟ قال: یکفرن العشیرَ، ویکفرن الإحسانَ، لو أحسنتَ إلی إحداهن الدّهرَ، ثمّ رأت منک شیئًا قالت ما رأیتُ منک خیرًا قطّ**۔ مجھے دوزخ دکھلائی گئی، تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں جو نافرمانی کرتی ہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا وہ اللہ کی نافرمانی کرتی ہیں؟ تو ارشاد ہوا: اپنے خاوند کی نافرمانی کرتی ہیں، اور اس کا احسان نہیں مانتیں، اگر تم عمر بھر ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر تمہاری طرف سے کوئی ناگواری کی بات ہوجائے، تو فوراً کہہ اٹھے گی کہ: میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

ترمذی کی ایک روایت (رقم ۱۵۰۵) میں مذکور ہے کہ: **جاء أعرابي إلی النبي ﷺ، فقال: یارسول الله! ائذن لی فلأسجد لک، قال: لو کنتُ آمرًا أحدًا أن یسجد أحدًا، لأمرتُ المرأة أن تسجد لزوجها**۔ ایک دیہاتی حاضر خدمت ہوا اور اس نے عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں، میں آپ کو سجدہ کرنا چاہتا ہوں؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی شخص کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی اور کو سجدہ کرے، تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں شوہر کی اطاعت کی اہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔

۲— دیندار رہو

نکاح کے موقع پر عورت کے تدین کو معیار بنانا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: **تُنكح المرأة لأربع : لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك۔**

کسی بھی عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے خاندان کی وجہ سے، اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، تم دین دار خاتون کے حصول کی کوشش کرو، (اگر تم ایسا نہ کروگے تو) تمہیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔(بخاری شریف رقم ۵۰۹۰)

معلوم ہوا کہ مال و جمال، اور جاہ وجلال بغیر تدین اور تقوی کے یکسر بے سود ہے، بلکہ مضرت رساں، اور راحت وسکون کو سلب کرنے والا ہے۔

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا تزوّجوا النساء لحسنهن، فعسى حسنهن أن يريهن، ولا تزوّجوهنّ لأموالهن، فعسى أموالهن أن تطغيهن، ولكن تزوّجوهن على الدين، ولأمة خرماء سوداء ذاتُ دين أفضل۔**

عورتوں سے صرف ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر شادی نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ حسن و جمال ہی ان کو تباہ وبرباد کردے، اور نہ ہی ان کے مال ودولت کو دیکھ کر ان سے شادی کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کی دولت انہی سرکش اور نافرمان بنادے، بلکہ ان کی دینداری کی بنیاد پر ان سے شادی کرو، اور یقیناً ایک کان کٹی کالی لونڈی جو دیندار ہو زیادہ بہتر ہے (بددین خوبصورت عورت سے)(ابن ماجہ رقم ۱۸۵۹)

عورت کا اصل جمال وہ اس کا حسن اخلاق اور خدمات گذاری ہے، عورت اگر حسن ادب اور حسنِ اخلاق سے آراستہ ہوتی ہے تو وہ اپنے شوہر کا اور تمام اہلِ خانہ کا دل جیت لیتی ہے۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: **خير فائدة أفادها المرء المسلم بعد إسلامه امرأة جميلة، تسرّه إذا نظر إليها، وتطيعه إذا أمرها، وتحفظه في غيبته وماله ونفسها۔**

ایک مسلمان اسلام لانے کے بعد جو بہترین نفع کی چیز حاصل کرتا ہے وہ ایسی خوبصورت بیوی ہے کہ جب وہ اسے دیکھے تو اسے مسرت ہو، اور جب وہ اسے کسی بات کا حکم کرے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور اس (مرد) کی عدمِ موجودگی میں اس کے مال وآبرو کا خیال رکھے۔

(سنن سعید بن منصور رقم ۵۰۱)

راہِ عمل

میاں وبیوی کے اختلافات کے اَسباب اور اُن کا حل

مفتی محمد راشد ڈَسکوی

ہمارے معاشرتی وعائلی مسائل میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ میاں بیوی کے اختلافات کا ہے، کہیں شوہر کو بیوی سے شکایت ہے تو کہیں بیوی شوہر سے بیزار ہے۔ روز روز کی لڑائی کے سبب نہ صرف خود اِن کی اپنی زندگی تکلیف دہ ہو جاتی ہے، بلکہ اِس کے برے اَثرات اِن کی اولاد پر بھی پڑنے لگتے ہیں، اولاد کے دل میں نہ باپ کا ادب رہتا ہے، نہ ماں کی عزت۔ ان اختلافات کا آغاز آپس کی تلخ کلامی، تو تو، میں میں اور گالی گلوچ ولعن طعن سے ہوتا ہے اور گالم گلوچ اور مار پیٹ کے رستے سے خلع اور طلاق تک جا پہنچتا ہے۔ جس کے نتیجے میں میاں وبیوی دونوں کا تعلق کسی دین دار، باحیا و مہذب خاندان سے ہو تو دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ بچوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے، عورت ماں باپ کے گھر میں جا کر اُن کے لیے یا اُن کی طرف سے اپنے لیے ایک مشقت بھرا پریشانیوں والا رستہ اختیار کر لیتی ہے، جس پر چلتے ہوئے اس کے میکے میں اس کے ماں وباپ کے درمیان یا بھائی بھابھیوں کے درمیان اختلافات ومسائل کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔ کسی بھی دار الافتاء میں جا کر معلوم کر لیا جائے کہ وہاں کس قسم کے مسائل سامنے آتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ پوچھے جانے والے سوالات طلاق وخلع اور فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں۔

ان اختلافات ومسائل کو حل کرنا ہے تو پہلے ان اختلافات کے اسباب پر غور کرنا ہوگا کہ کون سی ایسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے یہ حالات بنتے ہیں؟ اسباب ایک نہیں، کئی ہو سکتے ہیں، مثلاً: ہم مزاج نہ ہونا، رہن وسہن اور اسٹیٹس کا مختلف ہونا، (جسے آپ معاشی فرق سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) جوائنٹ فیملی سسٹم، کسی ایک یا دونوں کا اخلاق سیئہ والا ہونا، دینی برابری کا نہ ہونا وغیرہ۔

اِس نااتفاقی کاایک بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مرد وعورت ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہیں کرپاتے اور چھوٹی چھوٹی غَلَطیوں کواپنی نفسانی ضد کا مسئلہ بنالیتے ہیں، مرد چاہتا ہے کہ عورت میری نوکرانی کی طرح رہے اور عورت چاہتی ہے کہ مرد میرا غلام بن کر رہے، میرے اِشاروں پر چلے وغیرہ وغیرہ۔ذرا سوچیے کہ جب میاں بیوی کے درمیان ایسے خیالات پیدا ہوں گے تو پھر زندگی کیسے گزر پائے گی؟!

اختلاف کے حل کاایک قوی نسخہ

غور کرنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ میاں وبیوی کے اختلاف کیسے ہی کیوں نہ ہوں، وہ چند لمحوں میں حل اور ختم کیے جاسکتے ہیں، وہ ایسے کہ اختلاف چاہے کسی بھی سبب سے پیدا ہوا ہو، اُسے باقی رکھنے والا عنصر ہمیشہ انسان کی اَنا ہوتا ہے، چاہے وہ مرد کی طرف سے ہو، چاہے عورت کی طرف سے، جانبین میں سے اگر کوئی ایک اپنی اَنانیت کو چند لمحوں کے لیے ختم کردے اور جھک جائے، معافی مانگ لے، معذرت کر لے، خاموش ہو جائے تو دیکھ لیجیے گا کہ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔لیکن جھگڑے کے موقع پر اَنانیت کے موجود ہوتے ہوئے اختلاف ختم ہوجائے، تو یہ ممکن نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ شیطان اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال ووسوسہ پیدا کرے کہ انانیت ختم کرنے کا تو مطلب یہ ہے کہ تم بیوی کے نیچے لگ جاؤ، زن مرید بن جاؤ، اسے سر پر چڑھالو، کمینے بن جاؤ، ذلیل ہوجاؤ، اپنی قدر گھٹالو، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اِن وسوسوں پر کان نہیں دھرنا چاہیے، بالکل اہمیت نہیں دینی چاہیے، ان کے مقتضا پر عمل نہیں کرنا چاہیے، اگر اس وقت آپ نے ان وساوس سے بچتے ہوئے صلح کرلی، معذرت کرلی تو دیکھ لیجیے گا اس کے بعد جھگڑوں اور اختلافات کا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔لڑائی کا ہوجانا ایک فطری امر ہے، جہاں برتن اکٹھے ہوں تو وہ آپس میں ٹکراتے ہیں، آپ اسے (یعنی لڑائی کو) روک نہیں سکتے، کیوں کہ ہم انسان ہیں اور انسانوں میں لڑائی ہو ہی جاتی ہے۔لیکن لڑائی کا باقی رہنا، طول پکڑ جانا، سالہا سال تک چلتے رہنا، اس کی وجہ سے معاملہ مار پٹائی، قتل وغارت اور جدائی (یعنی طلاق وخلع) تک پہنچ جانا، فطرت نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کے برے اعمال کی کمائی اور اس کے کرتوتوں کی سزا ہے، اگر اپنے اعمال کو درست کرلیا جائے تو یہاں تک کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اعمال کی درستگی کی ابتدا اپنے اندر کی انانیت کے ختم کرنے سے ہوگی۔

اختلاف کی ایک وجہ اور اس کا حل

میاں و بیوی کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے مختلف، الگ الگ مزاج پر، پیدا کیا ہے، جس میں وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مرد و عورت کے مزاج کا فرق من جانب اللہ ہے، جس کی طرف حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں اشارہ دیا گیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (صحیح البخاری، الرقم ۳۳۳۱)

عورتوں کے بارے میں میری نصیحت سن لو کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے بارے میری نصیحت سن لو (کہ ان سے اچھا سلوک کرو)۔

اس روایت میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب مردوں سے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے اختلافات میں شریعت نے مرد کو سمجھایا ہے کہ وہ بڑا ہے، لہٰذا اُسے بڑے پن کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اور اسی حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مرد میں عقل کا غلبہ ہوتا ہے، جب کہ عورت میں جذبات کا پہلو غالب ہوتا ہے، لہذا! میاں بیوی کی لڑائی میں سمجھنے سمجھانے کے زیادہ امکانات مرد کی طرف میں ہوتے ہیں۔ پس مرد چوں کہ ذمہ دار بھی ہے اور اس میں عورت کی نسبت عقل کا پہلو بھی غالب ہے، لہٰذا اسے اپنی ذمہ داری اور تخلیق شدہ فطرت کا خیال رکھتے ہوئے گھر کو جوڑنے میں عورت کی نسبت زیادہ قربانی دینی پڑتی ہے یا دینی چاہیے۔ انہیں وجوہات اور خوبیوں کی بنا پر طلاق دینے کا حق اور اختیار بھی مرد ہی کو دیا گیا ہے۔

اور اگر مرد یہ عزم کر لے کہ اسے اپنی بیوی کو ہر صورت میں سیدھا کر کے ہی رہنا ہے، تو اس کا یہ اقدام اور کوشش اسے توڑنے کے مترادف ہے اور اس کو توڑنے کے ایک معنیٰ طلاق بھی ہیں۔

میاں بیوی کے درمیان صلح کا کردار ادا کرنے والے ثالث کو بھی چاہیے کہ میاں بیوی کے اختلافات کو حل کرنے کے لیے مرد کو زیادہ سمجھائے اور سمجھوتہ کرنے کے لیے قائل کرے، کیوں کہ عورت

کو اللہ تعالیٰ نے فطرتاً کم زور بنایا ہے، جیسا کہ اس روایت کے الفاظ ہیں۔

اس روایت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو طعن وتشنیع کے لیے اس روایت کو دلیل بنائے کہ تم تو ہو ہی ٹیڑھی، تم سیدھی نہیں ہوسکتی، وغیرہ وغیرہ، بلکہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سے مقصود یہ ہے کہ چوں کہ عورت کو اللہ نے ضعیف اور کم زور بنایا ہے، لہٰذا اُس کی اِس فطری کم زوری کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ساتھ حکمت وبصیرت کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث مبارکہ میں مرد وعورت کے مختلف المزاج ہونے کی خبر دی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کے ہر حصے سے ایک مٹھی مٹی لے کر اس سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، چناں چہ:

مِنهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبَيَضُ وَالْأَسْوَدُ، وَبَيْنَ ذَلِكَ، وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ (سنن الترمذی، الرقم ۲۹۵۵)

ان کی اولاد میں مٹی کی مناسبت سے کوئی لال، کوئی سفید، کالا اور ان کے درمیان مختلف رنگوں کے اور نرم مزاج وگرم مزاج، بد باطن وپاک طینت لوگ پیدا ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ انسان میں کچھ کم زوریاں تو موجود ہیں اور وہ رہیں گی، اُنہیں ختم کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ ان کم زوریوں میں دو چیزیں مطلوب ہیں: ایک تو یہ کہ ہر فریق اپنی کم زوری کو دور کرنے کی ممکن بھر کوشش کرے، اور دوسرا یہ کہ فریقین ایک دوسرے کی ایسی کم زوریوں کے بارے میں برداشت اور تحمل کا رویہ پیدا کریں، اُنہیں نظر انداز کریں، ان سے چشم پوشی کرلیں، ایسا بننے کی کوشش کی جائے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں، تب تو کام چل سکے گا، ورنہ نہیں۔ (ایسی سوچ اور اقدام اگرچہ بہت آسان نہیں ہے، لیکن ناممکن بھی نہیں ہے، اگر کوئی عزم کر لے تو یقیناً اللہ کی مدد ونصرت بھی اس کا مقدر بنے گی۔) یہی وہ بات ہے جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے حوالے سے بیان کی ہے کہ نہ تو اِسے بالکل سیدھا کرنے کے چکر میں پڑو اور نہ ہی اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دو، ورنہ دونوں میں ساتھ رہنا مشکل، بلکہ ناممکن ہوجائے گا اور نوبت علیحدگی تک جا پہنچے گی۔

مثلاً معمولاتِ زندگی میں جھگڑے کی ایک وجہ مرد کا باہر کی کاروباری زندگی سے گھر میں دیر سے پہنچنا ہے، اس پر بیویاں سیخ پا ہوتی ہیں اور اسی طرح جب کبھی میاں وبیوی کو گھر سے باہر کہیں سفر پر یا کسی تقریب وغیرہ پر

جانا ہوتو تیاری میں بیویاں بہت وقت لگادیتی ہیں،حتی کہ انہیں بروقت گھر سے باہر نکالناایک مشکل ترین کام بن جاتا ہے،ایسے موقع پر مرد کو بہت غصہ آتا ہے،نتیجۃً اسی خوشی کے وقت میں آپس کی چپقلش کی صورت میں نکلتا ہے،اب اس معاملے کوسلجھانا اپنے بس کی بات ہے،مقررہ وقت پر شوہر گھر آنے کی بھر پور کوشش کرے،اور اگر پھر بھی کسی وجہ سے کچھ تاخیر ہوجائے تو بیوی برداشت کرے اور نظرانداز کرے کہ باہر کی زندگی میں تاخیر کے اسباب بے شمار پیدا ہوسکتے ہیں۔اوراسی طرح گھر سے باہر نکلنے کے لیے بیوی کو جو وقت بتایا گیا تھا وہ عین اسی وقت پر بالکلیہ تیار رہے،اپنی تیاری کی ابتدا کرے ہی اس طرح کہ بروقت نکلنا ممکن ہو سکے اور اگراس میں کچھ تاخیر ہوبھی جائے تو پھر ایسی صورت میں شوہر تحمل کا مظاہرہ کرلےاور اپنے آپ کو سمجھالے کہ ایسا تو ہوناہی ہوتا ہے،ہاں عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ مطلوبہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے کا وقت بیوی کو بتادیا جاتا کہ اس وقت نکلنا ہوگا۔یعنی فریقین کوممکن حدتک اپنی اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

اختلاف کی ایک اور وجہ اوراس کا حل

میاں بیوی کے درمیان اختلافات کا ایک سبب شیطان لعین بھی ہوتا ہے۔حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ:فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُ:مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ:ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ:مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ:فَيُدْنِيهِ مِنْهُ، "وفي رواية:فَيُقَرِّبُهُ وَيُدْنِيهِ ويَلْتَزِمُهُ" وَيَقُولُ:نِعْمَ أَنْتَ. (صحیح مسلم،الرقم ۷۱۰۶)

ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو عالم میں فساد کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ چناں چہ اس کے لشکریوں میں سے مرتبہ میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جوسب سے بڑا فتنہ برپا کرنے والا ہو، پھر اس کے بھیجے ہوئے چیلوں میں سے ایک چیلہ آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا (یعنی فلاں سے چوری کرائی ،فلاں کوشراب پلوائی وغیرہ وغیرہ) تو شیطان کہتا ہے : تونے کچھ بھی نہیں کیا (یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، جوقابل فخر ہو)۔ پھر کوئی چیلہ آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کواس حال میں چھوڑا کہ اُس کے اور اُس کی بیوی کے مابین جدائی ڈلوادی تو شیطان (خوش ہو کر) اُس کو اپنے قریب کرلیتا ہے اور اُسے گلے لگاتا ہے کہ ہاں! تونے بڑا کام کیا ہے۔

تو میاں بیوی کے درمیان اختلافات،علیحدگی، یا ان کے درمیان پھوٹ ڈلوانا ابلیس کے نزدیک اتنا

عظیم کام ہے کہ ایسے چیلے اس کے مقربین میں شمار ہوتے ہیں جو میاں وبیوی میں طلاق کا باعث بن جائیں۔

اس لیے میاں بیوی اچھی طرح جان لیں کہ جب بھی ان کے درمیان کسی چھوٹی سی بات پر بڑا جھگڑا ہوجائے تو اس کا سبب شیطان ہوگا، جب کبھی اس قسم کا اظہار ہو تو حالات معمول پر لانے کا طریقہ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں یا ان میں جو غصہ کرنے والا ہے وہ خود تعوذ پڑھے، لاحول ولاقوۃ الاباللہ پڑھے، سورہ الفلق اور سورہ الناس پڑھے اور اگر یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہت بہتر ہو جائے گا :أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ ، وَعِقَابِهِ، وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَعُوذُ بِکَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونَ

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مکمل ہونے والے کلمات کے ذریعے، اس کے غضب سے، اس کی سزا سے، اس کے برے بندوں سے اور شیاطین کے کچوکوں سے اور میں اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔

اور اگر وہ خود پڑھنے کی کیفیت میں نہ ہو تو کوئی اور بھی یہ اوراد پڑھ کر پھونک مارسکتا ہے۔شیطان کی طرف سے غصے کا ایک حل یہ بھی ہے کہ وہ وضو کرلے۔

اختلافات ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میاں وبیوی پہلے اپنے درمیان سے تیسرے دشمن کو بھگائیں، یعنی شیطان کو، اس کی موجودگی میں میاں وبیوی کے اختلافات کا حل ہونا بہت مشکل ہے۔اوراس کو بھگانے کا طریقہ یہی ہے کہ صبح وشام کے اذکار اور تعوذات کا اہتمام کیا جائے۔دوسری بات شیطان ملعون کو گھر میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے، وہ اس طرح کہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے گھر میں داخل ہونے کی مسنون دعا پڑھ لی جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر کرلیا جائے، مثلا: بسم اللہ پڑھ کر ہی گھر میں داخل ہو جائیں گے تو شیطان گھر میں داخل نہ ہو سکے گا، بصورت دیگر وہ بھی اس گھر میں رہتے ہوئے فتنے وفسادات اور گناہ ومنکرات کا ذریعہ بنتا رہے گا، حضرت جابر بن عبداللہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ، فَذَكَرَ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: لا مَبِيتَ لَكُمْ، وَلَا عَشَاءَ، وإِذَا دَخَلَ، فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ:أَدْرَكْتُمُ المَبِيتَ، وإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ:أَدْرَكْتُمُ المَبِيتَ وَالْعَشَاءَ (صحیح مسلم، الرقم ۲۰۱۸)

جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام لے لے تو شیاطین

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اس گھر میں تمہارے لیے رات گزارنے اور کھانا کھانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت یا کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیاطین کہتے ہیں کہ اب تمہارے لیے یہ گنجائش ہے کہ تم اس گھر میں رات گزار سکو اور کھانا کھا سکو۔

گھر میں داخل ہونے کا ذکر گھر میں داخل ہونے والی دعا ہی ہے، حضرت ابو مالک اشعری کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ، فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى أَهْلِهِ (سنن أبی داود، الرقم ۵۰۹۶)

کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو کہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا، اے اللہ! ہم تجھ سے اندر جانے اور گھر سے باہر آنے کی بہتری مانگتے ہیں، ہم اللہ کا نام لے کر اندر جاتے ہیں اور اللہ ہی کا نام لے کر باہر نکلتے ہیں اور اللہ ہی پر جو ہمارا رب ہے، بھروسہ کرتے ہیں، پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔

ہمارے معاشرے میں اختلافات اور جھگڑے کبھی تو بچوں کے درمیان ہوتے ہیں اور کبھی بچوں کی وجہ سے بڑوں کے درمیان ہوتے ہیں، پھر بڑوں کے درمیان پیدا ہونے والی رنجشیں اور جھگڑے کئی وجوہات کی بنا پر ہوتے ہیں، مثلاً: مشترکہ خاندانی نظام، (جوائنٹ فیملی سسٹم)۔ ایک دوسرے سے بہت زیادہ توقعات باندھ لینا، آپس کی سوچوں کا فرق، خاندانی ومعاشرتی رسوم ورواج کا فرق، آپس میں طے پانے والے معاملات کا درست طریقے سے پورا نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

نیز! گھریلو جھگڑوں میں کبھی یہ جھگڑے بہن بھائیوں کے درمیان ہوتے ہیں، کبھی ماں باپ اور اولاد کے درمیان ہوتے ہیں، کبھی ساس کی طرف سے جھگڑے اٹھتے ہیں، کبھی نندوں کی طرف سے، تو کبھی بہو کی طرف سے اور اسی طرح شوہر کی طرف سے اور کبھی بیوی کی طرف سے۔

اگر ہم شریعت کے احکامات پر عمل کریں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون زندگی کو حرز جان بنالیں گے، تو یہ تمام جھگڑے اور فسادات ان شاء اللہ ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو اور ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین!

علمی تحقیق

کیا قرآنِ کریم میں سائنس کی تعلیم بھی ہے؟

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

آج کل یہ مضمون بہت عام کیا جارہا ہے کہ قرآنِ کریم طبیعی وغیر طبیعی تمام علوم کا منبع وسرچشمہ ہے، لہٰذا جس طرح قرآن کی تلاوت اور تعلیم: وحیٔ الٰہی کے پیغام کو جاننے، باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل کرنے اور اس کے اَحکام کا علم حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے، اِسی طرح اس کا ایک بنیادی اور اساسی مقصد: سائنسی اور طبیعاتی علوم وفنون کی تلاش وجستجو بھی ہے، اِسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں متعدد مقامات پر، مختلف پیرایوں میں ''آیات اللہ فی الکون'' (اللہ کی قدرت کی نشانیوں) کا تذکرہ فرماتے ہوئے لوگوں کو اُن میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے!۔ گویا ''سائنسی علوم وفنون'' بھی قرآن کا ایک مستقل موضوع ہیں!۔

چنانچہ بہت سی جدید عربی اور اردو تفاسیر اور مختلف رسائل وجرائد اور مقالات ومضامین میں ضمناً، اور ''قرآن وسائنس'' کے موضوع پر لکھی گئی بعض کتابوں میں مستقلاً، یہ مضمون نہایت قوت کے ساتھ انتہائی زور وشور سے بیان کیا جارہا ہے۔

مگر کیا واقعی ''سائنسی علوم وفنون'' قرآن کے موضوعات اور مقاصد کا حصہ ہیں؟ یا صرف بطور تذکرہ ضمناً اُن کا قرآن میں ذکر آیا ہے؟ پیشِ نظر مضمون میں بتوفیقہ تعالیٰ اِسی موضوع پر مدلل گفتگو کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآنی علوم اور موضوعات:

اِس میں شک نہیں کہ قرآنِ کریم علوم ومعارف کا سمندر، عجائب وغرائب کا بحرِ ذخار، اور دقائق وحقائق کا ایک زندہ معجزہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے نزول کے دن ہی سے، مختلف پہلوؤں سے اس کی تفسیر وبیان اور تشریح وترجمانی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے تو آج تک اُس کا تسلسل قائم ہے، اور قرآنی علوم

ہیں کہ ان کی دریافت اور تحقیق کسی طرح مکمل ہی نہیں ہو پا رہی ہے: **لا تنقضي عجائبه** کا سماں ہر پل اور ہر آن ہے، ہر آنے والے محقق پر ایسے ایسے لطائف ومعانی کے انکشافات ہوتے ہیں کہ بے ساختہ زبان پر یہ جملہ آتا ہے: كَم تَرَكَ الأوَّلُ للآخِرِ (کتنے ہی پہلو ہیں جو پہلوں نے پچھلوں کے لیے چھوڑ رکھے ہیں!)۔

تاہم یہاں تین الگ الگ بحثیں ہیں: ایک تو ہے قرآن کا موضوع اور مقصد۔ دوسرے ہے قرآن میں موجود علوم وفنون۔ تیسرے اُن علوم وفنون کے ذکر کا مقصد۔ ذیل میں تینوں ہی بحثوں سے متعلق مختصر گفتگو کی جاتی ہے، وباللہ التوفیق۔

قرآن کا اصل موضوع اور مقصد:

کتاب وسنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں قرآن کا موضوع اور مقصد تو متعین ہے، لہٰذا اِس سلسلے میں تو بس وہی مضامین اور تحقیقات ''قرآنی تفسیر'' کے طور پر لائقِ پذیرائی ہوسکتے ہیں جو قرآن کے اپنے بیان کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق، اور سلفِ صالحین کے تعامل وتوارث سے ہم آہنگ ہوں، ذیل میں ہم اُن آیات، روایات، اور اقوالِ سلف کو ذکر کرتے ہیں جن سے قرآنی موضوعات کی نشاندہی اور قرآن کے بنیادی مقاصد کی تعیین ہوتی ہے۔

قرآنی موضوعات قرآن کی روشنی میں:

۱- ابتدائے قرآن ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اِس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تین اہم ترین صفات بیان فرمائی ہیں، اِرشاد ہے: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ [البقرۃ۲، ۳] (یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ سراسر ہدایت ہے تقوی کے اُن خوگروں کے لیے جو کہ غیب پر اِیمان رکھتے ہیں)۔

اِس میں قرآن کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اُس کی ہر ہر بات بالکل یقینی، قطعی اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، اِسی لیے عقل وتجربے پر پرکھنے کا انتظار کیے بغیر اس کے مضامین پر یقین کر لینا عقیدے کا حصہ ہے، اور اس میں ذرا بھی تردد کفر ہے۔

(واضح رہے کہ اِیمان لانے سے پہلے: اللہ کے وجود، اس کی وحدانیت، نبی کی رسالت

اور قرآن کی حقانیت: اِن چار اُمور کے اِثبات پر تو عقلی دلیل کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، مگر اِیمان لانے سے قبل اِن چار اُمور کے علاوہ کسی اور حکمِ الٰہی پر دلیل کا مطالبہ بے محل ہے، اور جب اِیمان لے آئے تو پھر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ثابت شدہ کسی بھی بات کا اِنکار، یا اس میں شک و اِرتیاب موجبِ کفر ہے)۔

قرآن کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی معرفت حاصل کر کے اُس کی طرف جانے والے سیدھے راستے پر چلنا چاہتے ہیں، اور اُس کی عظمت، محبت اور خوف کی وجہ سے اُس کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے لیے قرآن کے مشمولات و مندرجات نصابِ ہدایت ہیں، لہٰذا اِس کتاب میں اُن کو وہ تمام باتیں ملیں گی جو ایک ''طالبِ ہدایت'' اور ''شائقِ تقویٰ'' کے لیے ضروری ہیں۔

تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اُن ہی عاشقوں اور دیوانوں کے لیے ہے جو ''اِیمان بالغیب'' رکھنے کے لیے تیار ہوں، اور ''غیب'' کہتے ہی ہیں اُن ربانی اور حقانی علوم کو جو سائنسی دسترس (عقل، تجربہ اور مشاہدہ) سے باہر ہوں، اور اُس کا سب سے بڑا افرد اللہ کی رضا وعدم رضا پر اطلاع ہے کہ وہ نہ عقل سے جانی جا سکتی ہے، نہ تجربے سے معلوم کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی مشاہدہ میں آسکتی ہے، اُس کا واحد ذریعہ وحیٔ الٰہی ہے، جس کا مجموعہ ''کتاب وسنت'' کہلاتا ہے۔

قرآن کی اِن تین صفات کے بیان سے اُس کے موضوع اور مقصد پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس کا موضوع ثابت شدہ حقائق کا بیان ہے، ممکنہ نظریات نہیں۔ اِسی طرح اُس میں تقویٰ وآخرت سے متعلق مضامین ہیں، نفسانی خواہشات اور دنیا داری سے متعلق نہیں۔ نیز وہ ایمان بالغیب کی دعوت دیتا ہے، عقل ومشاہدہ کے تجربات کی نہیں؛ اِلا یہ کہ اُن کا مقصد بھی اِیمان بالغیب تک پہنچنا ہو۔

قرآن کے برعکس سائنس کا موضوع صرف وہ ممکنات ہوتے ہیں جن کی تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر تصدیق یا تکذیب کی جا سکے، لہٰذا نہ تو اُس کے نظریات قرآن کی طرح یقینی اور قطعی ہوتے ہیں، نہ ہی اُس میں ''غیب'' (اور مابعد الطبیعات) سے بحث کی جا سکتی ہے (بلکہ فی الجملہ اُس کا اِنکار ہی پایا جاتا ہے)، اور اِسی کے نتیجے میں اللہ کی عظمت اور خوف سے ناشی ہونے والے ''تقویٰ'' کا، نیز اُس پر ایمان لا کر اُس کی غیر مشروط تابعداری وفرمانبرداری کا بھی کوئی تصور نہیں پایا جاتا، بلکہ اِن چیزوں کا یا تو بالکلیہ اِنکار پایا جاتا ہے، یا بس اُس حد تک اقرار کیا جاتا ہے جہاں تک سائنٹیفک اصولوں سے ان کی مزاحمت نہ ہو، لہٰذا جن شرعی

مسائل میں سائنسی اصول سے ٹکراؤ محسوس کیا جاتا ہے، اُن کی حقانیت کا اِنکار کردیا جاتا ہے۔

۲— قرآنِ کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا، وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا[الإسراء: ۹، ۱۰]

یقیناً یہ قرآن اُس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اور اُن اِیمان والوں کو بشارت سناتا ہے جو نیک اعمال کرتے ہیں کہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے، اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر اِیمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِن آیات میں قرآن کی تین صفات بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اہلِ اِیمان کے لیے بشیر ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اِیمان نہ لانے والوں کے لیے نذیر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں ہی اپنے انجام کے لحاظ سے اُمورِ آخرت سے متعلق ہیں، مادی دنیا کی کامیابی، یا نامرادی سے متعلق نہیں۔

۳— ایک اور جگہ قرآنِ کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ، يَهْدِي بِهِ اللهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ[المائدۃ ۱۵، ۱۶]

تحقیق کہ آچکا ہے تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کھلی ہوئی کتاب، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے جو اُس کی خوشنودی کی تلاش میں رہتے ہیں، اور اُن کو اپنے حکم سے — کفر، شرک، بدعت، جہالت، غفلت اور معصیت — کی تاریکیوں سے — ایمان، اسلام، سنت، علم، یادِ الٰہی اور طاعت — کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے، اور اُن کو ایسے راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔

اِس تفصیلی بیان میں قرآنِ کریم کی متعدد صفات کا ذکر آ گیا ہے، جن سے قرآنی موضوعات پر نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی پڑتی ہے، اور یہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن کا بنیادی مقصد اللہ کی خوشنودی کی تلاش کرنے والوں کی درست رہنمائی کرنا ہے، مادیت اور دنیا کے طالبین کی تشنگی دور کرنا نہیں۔

۴— ایک اور جگہ اِرشاد فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ[یونس ۵۷]

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے آپہنچا ہے پیغامِ نصیحت، اور سینوں میں چھپی

بیماریوں کے لیے شفاء کامل، اور لوگوں کی ہدایت کا سامان، اور خاص اہلِ ایمان کے لیے سراپا رحمت۔

اِس آیت میں بیان کردہ تمام صفات سے بھی قرآنِ کریم کے موضوع اور مقصد پر واضح طور پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ غفلت میں پڑے انسانوں کو بیدار کرنے، روحانی امراض میں مبتلا لوگوں کا علاج کرنے، اور راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوؤں کی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کی ہدایات کو قبول کر کے اُس پر اِیمان لے آئیں اس میں اُن کے قلوب کی تسکین کا سامان بھی ہے۔

قرآنی موضوعات حدیث کی روشنی میں

سیدنا حضرت علیؓ سے مروی سننِ ترمذی (۲۶۰۹) وغیرہ کی ایک طویل روایت ہے (جو فی نفسہ تو ضعیف ہے، مگر بحیثیتِ مجموعی حَسَن درجے کی ہوسکتی ہے)، اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: **كتابُ الله: فيه نبأُ ما قبلكم، وخبرُ ما بعدكم، وحُكم ما بينكم، وهو الفصل ليس بالهزل ... الحديث.** اس میں قرآن کی جو اہم صفات وارِد ہوئی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:

> اللہ کی کتاب: اس میں تم سے پہلوں کی تاریخ بھی ہے، تمھارے بعد کی پیشین گوئی بھی ہے، اور تمھارے معاملات کا حکم بھی ہے، اور وہ دوٹوک فیصلہ کرنے والی ہے، ہنسی کھیل نہیں ہے.....، اور وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، اور حکمت بھرا ذکر ہے، اور صراطِ مستقیم ہے، اُس کے رہتے فکر بھٹکتا نہیں، زبان لڑکھڑاتی نہیں، اور علماء اس سے آسودہ نہیں ہوتے، اور بار بار پڑھنے سے بھی وہ پرانا (اور بے مزہ) نہیں ہوتا، اور اس کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں، یہ وہی قرآن ہے جسے سن کر جن بھی خاموش نہ رہ سکے، اور پکار اٹھے: ہم نے تو ایک عجیب ہی قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے۔

اِسی روایت کے بعض طرق میں یہ معنیٰ بھی وارِد ہوئے ہیں:

> یہ اللہ کی وہ زبردست کتاب ہے کہ باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے، اور نہ پیچھے سے، یہ ایسی ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے جو حکمت والی قابلِ ستائش ہے، جو اسے چھوڑ کر کہیں اور علم حاصل کرے گا اللہ اسے گمراہ کردے گا، اور جو سرکش خلافتِ اَرضی کا والی بن جائے، پھر فیصلے اس کو نظر انداز کر کے کرے، تو اللہ اُسے توڑ دے گا، اور یہ کھلا ہوا نور ہے.....الخ)۔

اِس حدیث سے بھی قرآنی موضوعات کے مختلف پہلوؤں پر نظر پڑتی ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل موضوع: اگلوں کے حالات سے عبرت ونصیحت عطا کرنا، لوگوں میں تعلق مع اللہ پیدا کرنا، اور اللہ کی تابعداری اور فرمانبرداری کے طریقے کی رہنمائی کرنا ہے۔ اور اس میں جو **لا تنقضي عجائبه** (اس

کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں) کا جملہ وارِد ہوا ہے اُس سے متعلق بحث ہم اِن شاء اللہ آئندہ کریں گے۔

قرآنی موضوعات اقوالِ سلف کی روشنی میں

علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں: قرآن بنیادی طور پر تین موضوعات پر مشتمل ہے: توحید وعقائد، اَحکام ومسائل، اور قصص واَخبار۔ علی بن عیسیٰ ربعیؒ نے ابن جریر پر استدراک کرتے ہوئے مجموعی طور پر تیس علوم بیان فرمائے، تو قاضی ابو المعالی شیذلہؒ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا : کہ اگر تفصیل میں جایا جائے تو قرآنی علوم بے شمار ہیں، اور اِجمالی طور پر یہ تمام تیس علوم ابن جریر کے بیان کردہ تین علوم میں آجاتے ہیں۔

قاضی ابن العربیؒ فرماتے ہیں: کہ ویسے تو قرآن کا ہر ہر لفظ موتی، اور ہر ہر کلمہ حکمت ہے، اِس لحاظ سے تو قرآن میں بے شمار علوم وفنون ہیں، مگر بنیادی طور پر تین ہی علوم اس کا موضوع ہیں: توحید، تذکیر اور اَحکام (البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ۱/۱۷-۱۸)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں : ’’... قرآن جس فن کی کتاب ہے اس میں سب سے ممتاز ہونا یہ فخر کی بات ہے، یعنی اِثباتِ توحید واِثبات معاد واصلاحِ ظاہر وباطن۔ اگر سائنس کا ایک مسئلہ بھی اس میں نہ ہو کوئی عیب نہیں، اور اگر سائنس کے سب مسئلے ہوں تو فخر نہیں، قرآن کو ایسی خیرخواہی کی ضرورت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم‘‘۔(امداد الفتاوی، ج۶ص ۱۶۰-۱۶۲)۔ (باقی آئندہ)

خوشی کا سبب

کثرت کے ساتھ استغفار پڑھنے والا شخص قیامت کے دن اپنا نامۂ اعمال کو دیکھ کر خوش ہوگا۔

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جو یہ چاہتا ہے کہ اپنا اعمال نامہ دیکھ کر خوش ہو، اس کو چاہیے کہ بکثرت استغفار پڑھا کرے۔

’’وَعَنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ أَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ:مَنْ أَحَبَّ أَنْ تَسُرَّہٗ صَحِیْفَتُہٗ فَلْیُکْثِرْ فِیْھَا مِنَ الاِسْتِغْفَارِ‘‘ (رواہ أبوداؤد، رقم الحدیث ۱۴۸۹)

اسباقِ حدیث

''استعاذہ'' کی اہمیت وفضیلت

مولانا محمد جابر میواتی
استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

''استعاذہ'' کے معنی ہیں: ہر طرح کے شر سے بچ کر اللہ تعالی کی طرف التجاء اور توجہ کرنا، اور اس کی پناہ لینا۔ شرور وفتن سے بچنے میں استعاذہ بہت مؤثر ہے، اس لیے کہ شیطان کے مکر وفریب سے تحفظ، اور اس کے مکائد سے چھٹکارا، صرف اللہ تعالی کی پناہ اور اس کی طرف رجوع سے ہوسکتا ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنیہ میں اس کی تعلیم وترغیب آئی ہے، مثلاً: **وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** (اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے) [الأعراف ۲۰۰]، اور دوسرے موقع پر ہے: **وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ** (اور کہو کہ اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تری پناہ مانگتا ہو۔ اور اے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں) [المؤمنون ۹۷، ۹۸]۔

الفاظ ''استعاذہ'' میں سب سے افضل قرآنِ کریم کی دو چھوٹی سورتیں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) ہیں، جن کو ''معوّذتین'' کہا جاتا ہے، جن کی فضیلت میں بہت سی روایات موجود ہیں، سنن ابوداود (۱۴۶۳) میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **يا عُقْبَةُ! تَعَوَّذْ بِهِمَا، فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا"** کہ اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ کوئی پناہ مانگنے والا ان دونوں کی سی پناہ نہیں مانگ سکتا۔ حضرات مفسرین نے اس کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا نزول ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جادو کو ختم کرنے کے لیے ہوا تھا۔

''استعاذہ'' کی فضیلت واہمیت میں بیشمار احادیث مبارکہ وارد ہیں، اور موقع بموقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں چیزوں سے اللہ تعالی کی پناہ چاہی ہے، جن کے الفاظ کتبِ حدیث اور ادعیۂ ماثورہ پر مرتب

کتابوں میں موجود ہیں، اختصار کے پیشِ نظر حسبِ ضرورت مختصر تشریح کے ساتھ ان اشیاء کو درج کیا جاتا ہے:

الْهَمّ. (آئندہ آنے والی مصیبت کی) فکر سے۔

والحُزْن. (گذری ہوئی مصیبت کی) فکر سے۔ اس کو ''ح'' کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

والعَجز. اطاعت وعبادت پر قادر نہ ہونے، مصائب ومشقت برداشت نہ کرنے، اور دشمنوں سے حدودِ شرع کے اندر رہتے ہوئے انتقام نہ لینے سے۔

والکَسَل. کارہائے خیر پر قدرت کے باوجود ان میں کاہلی وسستی سے۔

والجُبن. شجاعت کے موقع پر بزدلی سے۔

وَالْبُخل. مال کے مصارف میں خرچ میں بخل کرنے سے، کیونکہ اس سے حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے۔ اسی طرح: الشُّحّ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، جس کی تشریح شراحِ حدیث نے ''دائمی اور طبعی بخل، اور لالچ کے ساتھ بخل'' وغیرہ سے کی ہے، جو بخل سے زیادہ شدید ہے۔

والهَرَم. بڑھاپے کی اس عمر سے جس میں عقل مختل اور حواس بیکار ہوجائیں۔ اسی کو دوسری احادیث میں (الخَرَف، أرذَل العُمر، سوء الكِبَر، سُوء العُمُر) وغیر الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عموماً قرآن وحدیث کی برکت سے علماء اس کیفیت سے محفوظ رہتے ہیں، ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اس مضمون کی ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ جو شخص قرآن کریم حفظ کرتا ہے، وہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔

والمَغْرَم. ہر طرح کے دیون اور قرضوں کے بوجھ سے جن کی ادائیگی کی کوئی شکل نہ بنے، اسی مضمون کو (ضَلَع الدَّين، غَلَبَة الدَّين) وغیرہ الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

والمَأْثَم. گناہ اور موجبات گناہ سے۔

والقِلَّة. خیرات ونیکیوں میں کمی، یا قلتِ صبر، یا قلتِ معاونین، یا قلتِ مال سے کہ جو بقدرِ کفایت بھی نہ ہو۔

والذِلَّة. لوگوں کے سامنے ذلت سے، یا گناہوں کی ذلت سے۔

والشِّقَاق. حق کی مخالفت اور اس کی دشمنی سے۔

والنِفَاق. عملی یا اعتقادی منافقت سے۔

والجوع. ایسی بھوک سے جو بیماری پیدا کردے، قویٰ کو کمزور اور دماغ کو خراب کردے، جس کی

وجہ سے عبادات بھی صحیح طرح ادا نہ کر سکے۔

والْخِيَانَة. ہر طرح کی خیانت سے۔

والْبَرَص. برص بیماری سے، جس کی وجہ سے انسان کے جسم میں سفید دھبے ہوجاتے ہیں۔

والجُذَام. کوڑھ کے مرض سے، جس سے اعضاء کا شعور اور حس ختم ہوجاتی ہے۔

بعض روایات میں: (الْأَدْوَاء) کا لفظ آیا ہے، جو جذام، برص، شل، واستسقاء، اور ذاتِ جنب وغیرہ تمام بیماریوں کو شامل ہے، اسی کو ایک دوسری حدیث میں (سَيِّئِ الْأَسْقَام) سے تعبیر کیا ہے۔

والجُنُون. جنون و پاگل پن سے۔

والْأَهْوَاء. خواہشاتِ نفسانیہ سے۔

والهَدْم. کسی چیز کے نیچے دبنے سے۔

والتَّرَدِّي. کسی اونچی جگہ سے گرنے سے۔

والْغَرَق. پانی میں ڈوبنے سے۔

والحَرَق. آگ میں جلنے سے۔

والْكُفْر. کفر و شرک سے۔

والجَانّ. جنات کے تسلط اور ان کے شرور سے۔

والْقَسْوَة. دل کی سختی اور شدت سے۔

والْغَفْلَة. اہم اور ضروری چیزوں میں غفلت سے۔

والمَسْكَنَة. دلی فقر، اور مسکنت کے فتنہ سے، یا قلتِ مال کے ساتھ بدحالی سے۔

والصَّمَم. بہرہ ہونے، اور کم سننے سے۔

والْبَكَم. گونگے پن سے۔

والْفَاقَة. دل کے فقر، یا ایسے فقر سے جو مال کا لالچی ہو، یا ایسے فقر سے جو کفرانِ نعمت اور ناشکری کا سبب بنے۔ اور اس پر متفرع ہونے والے فتنوں: مالداروں سے حسد، لالچ، کفرانِ نعمت، اور مقدر پر راضی نہ ہونا، اسی کو دوسری حدیث میں (وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

والسَّآمَة. ملال اور اکتاہٹ سے۔ (باقی آئندہ)

تبرکاتِ اکابر

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ارشاد فرمایا: کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی عطاء ہے اور عطاء پر انسان کو ناز نہ کرنا چاہئے۔ جب چاہیں نکال باہر کریں پھر ناز کیسا؟ ہاں! شکر کرو۔

اہل اللہ کو چونکہ نعمت کی حقیقت زیادہ معلوم ہے اس لئے ان کو نعمت پر شکر زیادہ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ان کی زیادہ نظر منعم پر ہوتی ہے وہ ہر نعمت کو اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے ہیں اس لئے وہ موجود پر راضی رہتے ہیں اور مفقود پر نظر نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے شکایت کی کہ مجھے افلاس زیادہ ہے۔ تو بزرگ نے فرمایا میاں! اگر دل میں اطمینان ہو، بدن میں کوئی مرض نہ ہو، ایک دن کا کھانے کو ہو، اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔ اسی لئے اللہ والوں کی شان یہ ہے کہ اگر مل گیا تو شکر نہ ملا تو اسکو بھی نعمت سمجھ کر صبر۔

فرمایا: نعمت کی تحقیر کا کسی کو کیا حق ہے۔ نعمت وہ چیز ہے کہ ہمارے یہ سارے لمبے چوڑے دعوے کمالات کے اور سارا طنطنہ جبھی تک ہے جب تک انہوں نے (اللہ نے) اپنی نعمت سے نواز رکھا ہے ورنہ ایمان کا سنبھالنا بھی مشکل تھا۔

فرمایا: انسان کو چاہئے کام میں لگے اور بے نتیجہ فکروں میں نہ پڑے، میرا مطلب یہ ہے کہ آگے چلنے کی فکر کرے، بے نتیجہ خیالات میں وقت صرف نہ کرے، اعمال میں وقت صرف کرے، انسان مکسوب اور اختیاری اعمال کا مکلف ہے چنانچہ ارشاد باری ہے **للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن وسئلوا اللہ من فضلہ ان اللہ بکل شئی علیما۔**

مردوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت

ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

فرمایا: :ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا کہ آجکل کیا کر رہے ہو تو اس نے کہا کہ توکل کی مشق کر رہا ہوں تو بزرگ نے فرمایا میاں! ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے؟ یعنی توکل کی مشق کا مقصود یہی تو ہے کہ پیٹ سے بے فکری ہو جائے۔اصل چیز میں کب لگو گے؟ بس توکل اختیار کرو مشق ہو یا نہ ہو۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ: جس قدر الفت ومحبت بڑھتی ہے اسی قدر تکلف جاتا رہتا ہے اور یہ بے تکلفی اور دل کا ملنا شرط اعظم ہے نفع باطن کیلئے۔مگر اکثر لوگوں کو ان باتوں کی خبر ہی نہیں۔

فرمایا: : جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں سب نے اسلام کے اصول لے لئے ہیں ۔راحت اٹھا رہے ہیں اور مسلمانوں نے چھوڑ دئے ، پریشان ہیں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔

فرمایا: اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت میں ،ان کی دعاء میں ،ان کی نصیحت میں نور اور برکت ہوتی ہے۔دہلی میں جو حکیم نابینا ہیں (مولانا حافظ حکیم عبد الوہاب غازی پوری ،اس وقت حیات تھے)ان کی نباضی مشہور ہے۔ان کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے عرض کیا تھا کہ حضرت میں نابینا ہوں بجز نبض کے اور علامات کا مشاہدہ نہیں کرسکتا نبض شناسی کی دعا کر دیجئے۔آپ (حضرت گنگوہیؒ) نے نبض کیلئے دعاء فرمادی جس میں ان کا کمال مشاہد (نظر آرہا ہے) تو یہ اس دعاء کی برکت ہے۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :اعتراض کرنا کیا مشکل ہے؟ زبان ہی تو ہلانا پڑتی ہے، تحقیق کا درجہ مشکل ہے۔اسی لئے محقق پر سیکڑوں اعتراض ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی نظر تمام جوانب پر ہوتی ہے۔اور غیر محقق کی نظر صرف ایک بات پر ہوتی ہے۔سو مختلف جوانب کو جمع کرنا ظاہر ہے کہ کس قدر مشکل ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ طعنے دیتے ہیں تو فرمایا کہ تم طعنے سے بچنا چاہتے ہو یا گناہ سے ؟طعنے تو نبیوں کو بھی دیتے ہیں۔اللہ تعالی کو دیتے ہیں صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کو دیتے ہیں، تم بیچارے تو کیا ہو۔عرض کیا کہ مولویوں کی حافظوں کی کوئی وقعت نہیں کرتے فرمایا کہ تو اس سے کیا ضرر ہے؟ عرض کیا کہ حضرت دنیا کی عزت کی بھی تو ضرورت ہے فرمایا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے، طبیب صحت کی تدبیر کرتا ہے یہ نہیں کی کشتی گری کا بھی ذمہ دار ہے کہ ایسا علاج کروں گا کہ تو کسی سے بھی مار نہ کھائے گا۔

واقعات الفتاویٰ

فتاویٰ مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
نائب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

''ایک دو تین'' کہنے سے طلاق کا حکم:

کوئی شخص اگر اپنی بیوی سے ''ایک دو تین'' کہے تو کیا محض ان الفاظ سے طلاق ہو جائیگی، اس کے حکم میں تفصیل ہے جو یہ ہے:

(الف) صرف ''ایک دو تین'' کہے، تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوگی، خواہ طلاق کی نیت بھی ہو، اس لئے کہ یہ الفاظ، الفاظِ طلاق نہیں ہیں۔ **ھو (ای الطلاق) رفع قید النکاح فی الحال او المآل بلفظ مخصوص، ھو ما اشتمل علی الطلاق الخ** (الدر المختار مع رد المختار نعمانیہ ۲/۴۱۵)

(ب) اس کے ساتھ طلاق کا لفظ بھی بولا جائے، مثلاً ''ایک دو تین طلاق''، اس صورت میں لفظ طلاق ہر عدد کے ساتھ ملحوظ ہے، لہٰذا ''**الصریح یلحق الصریح**'' کے ضابطہ کے تحت مجموعی طور پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیگی۔

(ج) اس کے ساتھ طلاق کا کنائی لفظ بولا جائے، مثلاً ''ایک دو تین جواب''، اس صورت میں بھی لفظ جواب ہر عدد کے ساتھ ملحوظ ہے، اور ضابطہ ہے: **البائن لا یلحق البائن**'' لہٰذا اس صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

(د) یہ الفاظ بیوی کی جانب منسوب کر کے کہے جائیں، مثلاً یوں کہے: ''تجھے میری جانب سے ایک دو تین''، اس صورت میں وقوع طلاق کے لئے نیت شرط ہے، خواہ نیت صراحۃً ہو، یعنی شوہر کہے کہ ان الفاظ سے میرا مقصود طلاق دینا ہے، یا نیت دلالۃً ہو، بایں معنی کہ مذاکرہ طلاق یا بحالتِ غصہ یہ الفاظ کہے جائیں، اگر کسی بھی طرح کی نیت متحقق نہیں ہے تو پھر طلاق نہیں ہوگی: **و لو قال انت بثلاث وقعت ثلاث**

ان نوی ولو قال لم انو لا یصدق اذا کان فی حال مذا کرۃ الطلاق و الاصدق (فتاویٰ ہندیہ۱/۳۵۷)

(ر) یہ الفاظ بیوی کے مطالبۂ طلاق کے جواب میں کہے جائیں، مثلاً بیوی کہے: مجھے طلاق دیدو، جس کے جواب میں شوہر کہے: ایک دوتین، اس صورت میں ''السوال معاد فی الجواب'' کے ضابطہ کے مطابق دوسری صورت کی طرح تین طلاق واقع ہوں گی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ ۵/۱۷۱-۱۷۶)

گود لئے ہوئے بچے کا حکم

شرعی تعلیمات کے مطابق بچہ کو گود لینا جائز ہے مگر یہ گود لیا ہوا بچہ حقیقی اولاد کے درجہ میں نہیں ہوگا، اور نہ اس پر حقیقی اولاد کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا گود لینے کی صورت میں درج ذیل باتوں کا خیال لازم ہے:

(الف) گود لئے ہوئے بچے کو اس کے اصل باپ کی طرف کی منسوب کرکے پکارا جائے، گود لینے والے کے لئے اس کو زبانی اپنی اولاد قرار دینا یا کاغذات میں اس کی ولدیت میں اپنا نام درج کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(ب) گود لینے والے زوجین کے لئے اس سے بعد از بلوغ پردہ کا حکم بھی برقرار رہے گا، لہٰذا اگر لڑکے کو گود لیا ہے تو بیوی کے لئے اس سے پردہ ضروری ہوگا اور اگر لڑکی کو گود لیا ہے تو شوہر کے لئے اس سے پردہ ضروری ہوگا، الا یہ کہ گود لئے ہوئے لڑکے و لڑکی کا زوجین سے محرمیت کا رشتہ ہو یا پھر زوجہ اس کو مدتِ رضاعت میں دودھ پلادے۔

(ج) گود لیا ہوا بچہ زوجین کی میراث میں بھی حقدار نہیں ہوگا۔

وفی التفسیر المظھری ۲۸۳/۷ وماجعل ادعیاء کم ای الذین تبنیتھم ابناء کم، فلا یثبت بالتبنی شئی من احکام البنوۃ من الارث وحرمۃ النکاح وغیر ذالک... ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ۔

دعوت ختنہ کا حکم

ختنہ اسلامی شعار ہے، مگر اس موقعہ پر دعوت کا اہتمام یا مٹھائی کی تقسیم ثابت نہیں ہے، حضرت عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہمیں ختنہ کی دعوت دی جاتی تھی

اورنہ ہم جایا کرتے تھے،(مسند احمد ۴/۲۱۷-طبرانی کبیر ۹/۵۷)اس لئے اس موقعہ پر دعوت وغیرہ سے احتراز کرنا چاہئے،تاہم اگر کوئی اِس اسلامی شعار کی ادائیگی کی توفیق کے شکر کے طور پر دعوت کرے تو یہ ناجائز بھی نہیں ہے۔لہٰذا اگر کوئی اس موقعہ پر اس نیت سے دعوت کرے تو اس میں شرکت بھی درست ہے۔وفی شرح الطحاوی لاینبغی التخلف عن اجابة دعوة العامة کدعوة العروس والختان ونحوهما ۔(خلاصۃ الفتاویٰ ۴/۳۵۸)

سالگرہ منانے کا حکم

مختلف عنوانات سے دن منانے کا رواج ایک غیر اسلامی طریقہ اور روش ہے،سالگرہ منانا بھی اسی میں داخل ہے،اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے:من تشبه بقوم فهو منهم۔(رواہ ابوداؤد:۴۰۳۱)

عورتوں کو مردوں کے ہاتھ سے چوڑی پہننا یا مہندی لگوانا

عورتوں کے لئے چوڑی پہننا اور مہندی لگانا جائز بلکہ مطلوب و مستحسن ہے،لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ازخود چوڑی پہنیں اور مہندی لگائیں یا کسی عورت ہی سے یہ کام کروائیں،کسی غیر محرم مرد سے چوڑی پہننا یا مہندی لگوانا بالکل ناجائز ہے اور ایسا کرنے والے مرد وعورت دونوں سخت گنہگار ہیں:ولایحل له ان یمس وجهها ولا کفها وان کان یأمن الشهوة۔(فتاوی ہندیہ ۵/۳۲۹)

ماهنامه مظاهر علوم سهارنپور: تبلیغِ دین،اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کی ایک عظیم تحریک ہے۔

خریدار حضرات کے پتوں کی سلپ پر مدت خریداری کی اطلاع درج ہے اگر مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہو تو 300/ روپئے سالانہ کے حساب سے ارسال فرمائیں۔(ادارہ)

طابع،ناشر،مدیر(مولانا)محمد عاقل(صاحب)ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

اخبار مظاہر

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

داخلوں کی تکمیل کے بعد تمام شعبہ جات میں تعلیم کا آغاز

ہر سال کی طرح اس سال بھی مدرسہ مظاہر علوم میں شروع شوال سے ہی حسبِ ضابطہ داخلہ فارم کی تقسیم شروع ہوگئی تھی اور کاغذی و دفتری کارروائی کے بعد کل تقریباً دو ہزار طلبہ نے داخلہ امتحان میں شرکت کی، پورے تیقظ اور ضابطوں کی تکمیل کے بعد ان کی جانچ کی گئی، اور الحمدللہ امسال مدرسہ کے تمام شعبہ جات میں داخلہ حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافہ رہا، ریکارڈ کے مطابق دورۂ حدیث میں ۳۰۹ر طلبہ لئے گئے، اسی طرح جماعت ہفتم میں ۱۹۳ر، جماعت ششم میں ۱۱۷ر، درجہ پنجم میں ۹۵ر، چہارم میں ۸۷ر، سوم میں ۴۷ر، دوم میں ۵۱ر اول عربی میں ۵۲ر، درجہ فارسی میں ۴۶ر، تخصص فی الحدیث میں ۹ر، شعبۂ افتاء میں ۳۸ر، تحفظ ختم نبوت میں ۹ر، شعبۂ تجوید میں ۶۴ر، تخصص فی القراءت میں ۸ر، شعبۂ ادب عربی میں ۲۸ر، شعبۂ تفسیر میں ۱۳ر طلبہ داخل کئے گئے، امسال دو ہزار طلبہ میں سے بذریعہ امتحان منتخب کئے جانے والے طلبہ کی تعداد ۱۱۵۷ر ہے، اور مدرسہ کے مکاتب دینیہ میں داخل طلبہ کی تعداد ۱۳۶۰ر ہے، اس طرح سے مظاہر علوم سے امسال تعلیم حاصل کرنے والے کل طلبہ کی تعداد ۲۵۱۷ر ہے۔

امسال مظاہر علوم میں مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق شعبۂ تدریب فی القضاء کا بھی آغاز ہونا ہے، جس کی کارروائیاں زیر تکمیل ہیں، ان شاء اللہ بہت جلد اس اہم شعبہ کا بھی باضابطہ آغاز کر دیا جائے گا۔

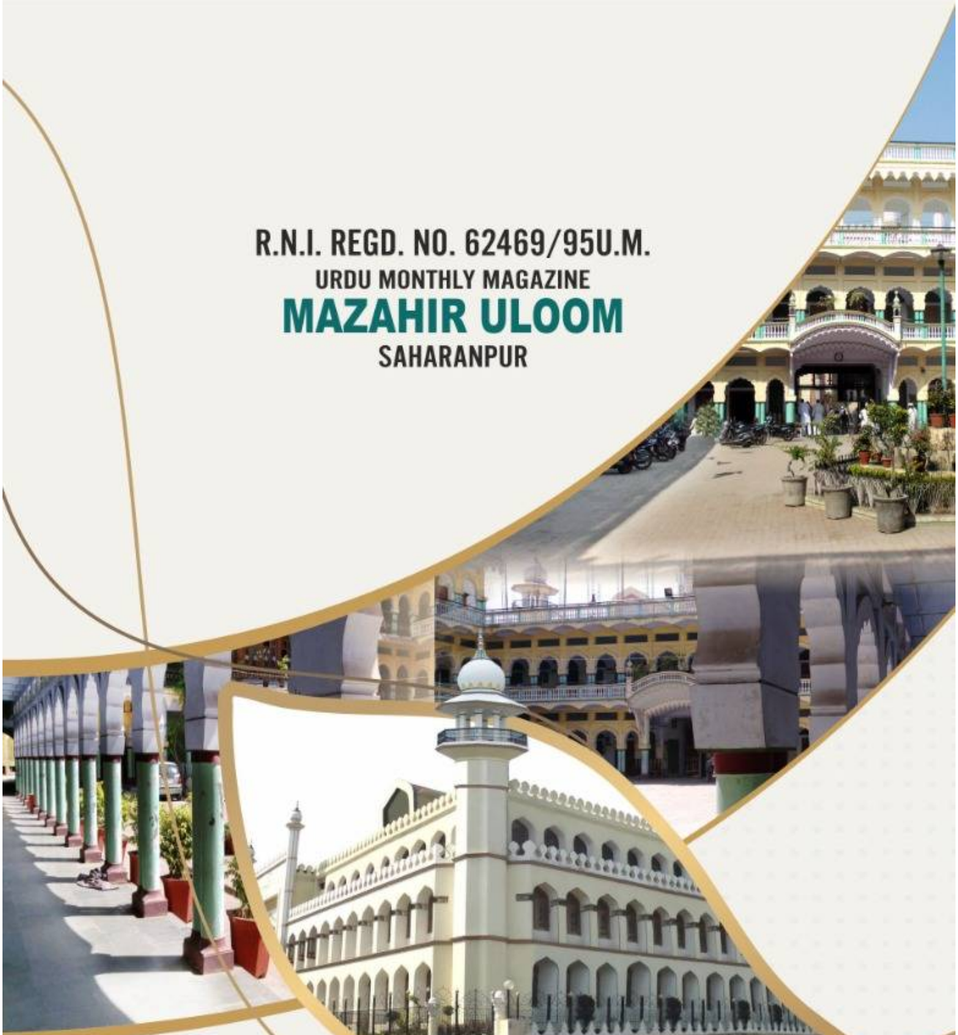
طلبہ کی تربیت اور دارالاقامہ کے نظام میں مزید بہتری لانے کے لئے مجلس تعلیمی نے مدرسہ کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی کو مقرر کیا ہے کہ وہ تعلیمی ماحول کی استواری کے ساتھ ساتھ دارالاقامہ اور طلبہ کی تربیت کے نظام پر بھی خاص نظر رکھیں، چنانچہ امسال مدرسہ کے امین عام اِن امور کی جانب خاص توجہ فرمارہے ہیں اور تعلیمی اوقات، اسی طرح نماز کے اوقات میں مدرسہ میں حاضر رہ کر طلبہ کی خصوصی نگہداشت کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے بہتر تعلیم کے ساتھ ساتھ نظام تربیت پر بھی اچھا اثر محسوس کیا جارہا ہے۔

مؤرخہ ۲۹ر شوال ۱۴۴۴ھ/ ۲۰ر مئی ۲۰۲۳ء شنبہ کو ناظم مدرسہ وشیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ نے بخاری شریف کا افتتاحی درس دیا اور تمام شعبہ جات میں باقاعدہ تعلیم شروع کر دی گئی۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com